بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ سادات پیرسباک

کنجِ عزلت زگنجِ شاہی بہ
شکر دائم زہ گاہ گاہی بہ
یک دمے یادِ او بآگاہی
زافسر و تاجِ شاہی بہ

نورالدین محمد جہانگیر کا دورِ حکومت تھا۔ ہندوستان میں ہر طرف عدل و انصاف کا دور دورہ تھا۔ بادشاہ اپنے مصاحبین کے ساتھ کابل کی سیر کے لئے جا رہے تھے دریائے کابل میں کشتی رانی کے دوران انہوں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے دو جھونپڑیاں گھاس پھوس اور لکڑی کے ٹکڑوں کی بنی ہوئی ہیں۔ علاقہ ویران تھا۔ دور دور تک آبادی نہ تھی۔ ولہ زاک قبیلے کے یہاں سے نکالے جانے کے بعد اس ویرانے میں آبادی بادشاہ کے لئے باعثِ حیرت تھی۔ خدام سے پوچھا کہ "یہ متوکل علی اللہ لوگ کون ہیں جنہوں نے آبادی کی بجائے ویرانے میں رہنا پسند کیا ہے؟" عرض کیا۔ "حضور! ایک سید ہے۔ نیکی اور پرہیزگاری کے پوشاک سے مزین ہے۔ رات دن عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا ہے۔ نہایت متوکل اور صابر بزرگ ہے۔" بادشاہ نے خدام سے کہا۔ "اس فقیر کو میرے پاس لاؤ۔" ملازم آنحضرت کے پاس گئے اور انہیں بادشاہ کی درخواست سے مطلع کیا مگر انہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ "میں فقیر آدمی ہوں میرا بادشاہوں سے کیا کام؟" بادشاہ کے مصاحبین ہر قسم کی منت سماجت پر اتر آئے۔ آخر آنحضرت کو اولی الامر کے پاس جانے کے لئے راضی کر لیا۔ عادل و منصف بادشاہ نے عقیدت و احترام سے انہیں بٹھایا۔ پند و نصائح سننے کے بعد بادشاہ نے ان سے دعا مانگی۔ آنحضرت نے بادشاہِ وقت کے حق میں دعا کی اور رخصت ہو گئے۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے ہفت ہزاری منصب دار (صوبیدار کابل) خان دوران کو حکم دیا کہ نوشہرہ اور اکوڑہ کا درمیانی علاقہ آنحضرت کو بطورِ نذرانہ دیا جائے۔ آنحضرت مال و دولتِ دنیا سے اتنے بے نیاز تھے کہ انہوں نے اتنی بڑی جاگیر کا مالک ہونے کے باوجود یہاں دفن ہونا تک گوارا نہ کیا لیکن یادِ خداوندی کے لئے صرف ایک خانۂ خدا تعمیر کیا جو آج بھی "باباجی کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔

یہ تھے خاندانِ نبوت کے گلِ سرسبد، ایک بزرگ اور ممتاز شخصیت، متوکل عابد اور زاہد مرد، شیخ المشائخ، قطب الاقطاب، عمدۃ الصالحین، زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین، ناصر الملت والدین، پیرِ طریقت و شریعت حضرت پیر سباک رحمتہ اللہ علیہ۔

اسم گرامی:۔ آپ کا اسم گرامی سید محمود یا محمود شاہ تھا۔ پیر سباک کے نام سے مشہور و معروف تھے اور ناصر الدین ان کا لقب تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو پیر سباک کیوں کہا جاتا ہے؟ اب تک اس کی درج ذیل توجیہات سامنے آ چکی ہیں:۔

I ۔ "سباک" عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں پگھلانے والا (ملاحظہ ہو عربی لغت یا سٹینگاس کی ڈکشنری) اب اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ سباکی کا کام کرتے تھے یا کسی کرامت کے ظہور کی وجہ سے اس نام سے معروف ہوئے اب تک ہم اس بارے میں کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتے۔

II ۔ حضرت کاکا صاحبؒ کو سبق پڑھانے کی وجہ سے "پیر سبق" مشہور ہوئے اور سباک "سبق" ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اب اس توجیہہ کے بارے میں میرے

خیالات درج ذیل ہیں :-

(i) سباق زمانۂ حال کی ایجاد ہے۔ سب قدیم تحریروں میں یہ لفظ "سباک" لکھا ہوا ہے۔ اغلباً مفتی صاحب سیاح الدین پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی تالیف میں "سباک" کو "سباق" لکھا۔ اب جرنیلی سڑک کے کنارے گاؤں کے نام کی تختی پر بھی "پیر سباق" لکھا ہوا ہے۔

(ii) کاکا صاحبؒ کو سبق پڑھانے کے بارے میں صرف زبانی روایات دستیاب ہیں جنہیں ہم اب تک ثابت نہیں کر سکتے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :-

(ا) کاکا صاحبؒ سبق پڑھنے کے لئے "باباجی کی مسجد" میں آتے تھے۔ آج تک مسجد کے اندر ایک پتھر موجود ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ اس پر بیٹھ کر پیر سباکؒ کاکا صاحبؒ کو درس دیا کرتے تھے۔

(ب) اولادِ پیر سباکؒ لنڈے دریاب کے درمیان پانی کی ایک سفید لکیر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ وہ راستہ ہے جس پر چل کر کاکا صاحبؒ آیا کرتے تھے اور اسے کرامت سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ پانی کے اندر ایسی لکیریں بنتی رہتی ہیں۔

(ج) کچھ عرصہ ہوا ایک فوجی افسر نے اپنے گاؤں سرڈھیری کٹی خیل میں اپنی اہلیہ کی یاد میں ایک کنواں تعمیر کیا۔ اس سے پہلے یہ روایت تھی کہ اس گاؤں میں میٹھے پانی کا کنواں نہیں کھودا جا سکتا کیونکہ کاکا صاحبؒ نے اس گاؤں کے لوگوں کو بددعا دی ہے اور واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کاکا صاحبؒ پیر سباک علیہ الرحمۃ سے پڑھنے کے لئے جا رہے تھے۔ راستے

میں یہ گاؤں پڑتا تھا۔ کاکا صاحبؒ پیاسے تھے۔ انہوں نے گاؤں والوں سے پانی مانگا۔ گاؤں والوں نے انکار کر دیا جس پر کاکا صاحبؒ نے انہیں بددعا دی۔ (اب کئی پشتیں گزر چکی ہیں ویسے بھی دعا یا بددعا کا اثر سات پشت تک رہتا ہے) عوام الناس بھی آج تک اس گاؤں کا تلفظ "پیر سبق" ہی کرتے ہیں۔ ان روایات کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ اخوند سباکؒ کے نام سے ایک دوسرے بزرگ ضلع مردان کے گاؤں رستم میں مدفون ہیں ہم اب تک یہ نہ جان سکے کہ ان بزرگ کی اولاد "سباک" کے کیا معنی بتاتے ہیں۔ اگرچہ ان کی اولاد میں ایک فرد میاں شاکر اللہ صاحب آف گوجر گڑھی کے ساتھ اس سلسلے میں میری خط و کتابت ہوئی لیکن بہرحال یہ بات ثابت ہے کہ رستم گاؤں کے یہ بزرگ بڑے اخوند اور مدرس تھے۔

مؤرخ بے بدل جناب بہادر شاہ ظفر کاکاخیل راقم الحروف کے نام ایک خط مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۸ء میں لکھتے ہیں :- "سباک" کو "سباق" سمجھ لیا جائے تو یہ اسم مبالغہ ہو جائیگا یعنی بہت زیادہ سبقت کرنے والا۔ ہو سکتا ہے یہ سبقت علم میں زیادتی کے باعث ہو یا کرامت میں۔ بہرحال میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ لفظ درست طور پر "سباق" ہے اور عوام میں "سباک" مشہور ہوا ہے۔ اگرچہ میاں صاحب روایت کے دوسرے حصے سے متفق نہیں ہیں کہ وہ (پیر سباکؒ) کاکا صاحب کو پڑھاتے تھے۔

III۔ "خٹک" اور "سباک" دو مترادف الفاظ ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں "پیر سباک" تو اس کے معنی ہوئے "پیر خٹک"

یہ نظریہ سب سے پہلے قاضی عبدالحلیم اثر صاحب نے پیش کیا۔ راقم الحروف

کے نام ایک خط مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۷۳ء میں لکھتے ہیں :-

"لفظ سباک اور خٹک دو مترادف الفاظ ہیں۔ جب آپ کہیں گے سباک تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے کہا ہے خٹک۔ اسی ایک ہی نسل کے لوگ قدیم تاریخی یاداشتوں میں خٹک اور سباک دونوں ناموں سے یاد کئے جاتے تھے۔ جب آپ کہتے ہیں "پیر سباک" تو اس کے معنی ہیں۔ آپ نے کہا ہے "پیر خٹک" اس کی وجہ کتاب "تواریخ مجمع الانساب" ملکیت نواب خواجہ محمد خان ارمڑی مرحوم کی درج ذیل عبارت سے معلوم ہو سکے گی۔

زوجہ لقمان کہ مشہور بہ خطکہ است، سباکہ نام داشت سیاہ فام، سروقد، قوی ہیکل۔ نہایت ہوشیار و دوراندیش بود۔ اب اسی لقمان اور سباکہ کی نسل ہے، خطک بھی کہلاتی ہے اور سباک بھی۔ حضرت سید محمود ابن سید ابوبکر ابن شاہ اسمٰعیل جو کہ خطک (سباک) قبیلہ کے پیر ہونے کی وجہ سے پیر خطک کی بجائے پیر سباک کہلائے۔ اب ظاہر ہے کہ قبیلہ سباک (خطک) میں آستانہ داروں کے دوسرے خاندان بھی آباد رہے ہیں جن میں ایک فاروقی خاندان کے مشائخ کی ہے اور اسی فاروقی خاندان میں میر امان اللہ عرف اخوند چالاک اور میر فیض اللہ عرف اخوند سباک دو بزرگ ہو گزرے ہیں"۔

اس نظریئے کے بارے میں میرا اپنا خیال یہ ہے :-

قاضی اثر صاحب کا یہ کہنا کہ خٹک سباکہ زوجۂ لقمان کی نسل سے ہیں صحیح ہے۔ اس کی تصدیق خوشحال خان خٹک کے دو اشعار سے بھی ہوتی ہے :-

له دوارو پښتنو راته تسلیم دے   زه خو بیا د سباکئ انا خټک یم

بو لاق که هر څو خټک یادیږی   د سباکی د لوریه یددی

مشہور ادیب و مورخ جناب دوست محمد خان کامل اپنی تصنیف "کلیات خوشحال خان" میں اس پہلے شعر کی تشریح یوں کرتے ہیں: "سباکہ لقمان عرف خٹک (جو خٹک قبیلے کا جد امجد ہے) کی زوجہ اور خٹکوں کی دادی تھیں"۔

لیکن ہم اب تک یہ ثابت نہ کر سکے کہ کسی قدیم یا جدید تاریخ میں قوم خٹک کو سباک لکھا گیا ہو۔ البتہ ہیرو ڈوٹس نے قوم ستاگودے (SATTAGUDAI) لکھا ہے جو بعض مؤرخین کے نزدیک خٹک ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ہم اس نظریئے کو یکسر مسترد بھی نہیں کر سکتے۔ اس بات کی تاریخی شہادت ملتی ہے کہ پیر سباکؒ اور ان کے آباء واجداد خٹک قبیلے کے پیر رہے ہیں۔ اخوند درویزہؒ اپنی تصنیف "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں سید ابابکرؒ (والد پیر سباکؒ) ان کے آباء واجداد اور بیٹوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"مردم افغاناں خطک تمامہم بایشاں رجوع دارند"۔ (ساری خٹک قوم ان سے رجوع کرتی ہے)۔ خوشحال خان اپنی تصنیف "سوات نامہ" میں جہاں پشتونوں کے مختلف قبیلوں کے پیروں کا ذکر کرتے ہیں وہاں خٹک قوم کو "بوبکری اور منصوری" کہتے ہیں ؎

خټک داره بوبکری پیر منصوری دو

له بدعته له فساده په بهری دو

پیر منصورؒ، پیر سباکؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ "تذکرہ" کے الفاظ "تمامہم" اور خوشحال خان کا "داره" قابلِ غور ہیں۔

راقم الحروف کے نام ایک خط میں استاذی محترم جناب جعفر شاہ پھلواری پیر خٹک کی توجیہہ کو قرین قیاس لکھتے ہیں بشرطیکہ خٹک قبیلے کی کسی تاریخی دستاویز سے اس کی تائید ہوتی ہو۔

IV ۔ سہاکی پیر۔ افغان قوم کا ایک تاریخی مزاج ہے اور اس کے منضبط اصول اور قواعد ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عربی ناموں کو مفقس بنا لیتے ہیں۔ اس قاعدہ کی رُو سے اسحاق کو سہاک اور اسحاقی کو سہاکی کہتے ہیں۔ (اثر)

حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کے ایک بھائی اسحاق المواقفؒ تھے۔ کہتے ہیں کہ اسحاق المواقفؒ کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے "سہاکی پیر" کہلائے لیکن اس خاندان کے کسی شجرے میں بھی سلسلہ اسحاق المواقفؒ سے نہیں ملایا گیا۔ سب شجرے حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے جا کر ملتے ہیں۔

V ۔ ایک توجیہہ یہ ہے کہ "سبکین" کے نام سے ایک گاؤں ملک شام میں واقع ہے۔ جناب جعفر شاہ پھلواری لکھتے ہیں "سبک مصر کا علاقہ ہے۔ تقی الدین سبکی کے بارے میں المنجد فی الادب والعلوم میں ہے ولہ فی سبكٌ متوفية (مصر ۷۴۷،) کئی محدثین اور فقہاء "سبکین" گاؤں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے "سُبکی" کہلائے۔ تاج الدین سبکیؒ، امام تقی الدین سبکیؒ۔ عبدالباقی سبکی۔ سعید سبکی۔ معروف سبکی اور محمد عمر سبکی وغیرہ۔ مولانا میر محمد یعقوب سبکی (زمانہ حیات ۹۱۶ھ) ایک محدث جلیل اور فقیہہ بے عدیل بھی اسی خاندان میں گزرے ہیں۔ حضرت محمود شاہ اسی مولانا میر محمد یعقوب سبکی کی اولاد میں سے ہیں اور اسی نسبت سے "سباکی پیر" ہوئے۔

اکثر پشتون قبائل کی وجہ تسمیہ یا تو جغرافیائی ہے اور یا مادری۔ شیتک (بنوچی) مسمات بانو کے نام کی مناسبت سے بانوزئی (بنوچی) کہلاتے ہیں۔ بی بی متو کی ساری اولاد کو متی قبیلہ کہتے ہیں۔ اسی طرح خٹک۔ شیخے زئی۔ مریم زئی اور عائشہ زئی بھی ہیں۔

جغرافیائی مناسبت کی بھی ایک معقول وجہ ہے۔ پشتون قبائل اپنی مہاجرت کے دور میں الجبال۔ غرجستان۔ بلوچستان۔ قلات۔ غزناؤ اور ننگرہار کے علاقوں میں رہے ہیں۔ تاریخ حیات افغانی صفحہ ۲۳۱ میں بلوچستان کے تاریخی مقام ڈاڈر کے نام کے ساتھ ایک جگہ کا نام سباک لکھا ہوا ہے جسے آج کل "سبی" کہتے ہیں۔ یہ سباک ملک شام کے شہر "سبکین" کی مناسبت سے ہے۔ تاج الدین سبکی اور تقی الدین سبکی وغیرہ یہیں پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل قبائل نے اپنی نئی آبادیوں کو اپنے آبائی شہروں کے نام دئیے۔

لیکن اس نظرئیے میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ اس خاندان کا کسی وقت بھی بلوچستان میں رہنا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی محمود شاہؒ سے پہلے کسی بزرگ کو "پیر سباک" کہا گیا ہے۔ اگرچہ ان کے شجرے میں بارہویں پشت پر ایک بزرگ کا نام "میر یعقوب" ہے جو سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاںؒ جہاں گشتؒ کے واسطے سے امام موسیٰ کاظمؒ کی اولاد سے ہیں۔

VI ۔ قاضی عبدالحلیم اثؔر افغانی مدظلہ العالی اپنے خط مورخہ ۱-۶-۱۹۷۹ میں "سباک یا سباق" کے بارے میں رقمطراز ہیں۔ "حسن الزیات مصری اپنی تالیف تاریخ الادب العربی (صفحہ ۱۷) میں لکھتے ہیں کہ یہ جو مختلف ممالک میں مقامات اور

علاقوں کے تاریخی نام ہیں۔ یہ ثقافتی آثارِ قدیمہ ہیں۔ ایک جگہ ایک نام ہوگا۔ یہ کسی قدیم قوم کی کسی قدیم زبان کا ہوگا۔ یہ نام ہمیں بتلاتا ہے کہ کبھی تاریخ کے کسی زمانہ میں وہ قوم جن کی زبان سے یہ نام اس ملک میں موجود ہے لیکن وہ قوم خود یہاں موجود نہیں ہے وہ کبھی اس سرزمین پر رہ چکی تھی اور اب یہ نام اس قوم کے آثارِ قدیمہ کے طور پر باقی رہ گیا ہے۔

حسن الزیات مصری کے اس نظریئے کی بنیاد پر قاضی اثرؔ صاحب نے 'سباک' یا 'سباق' کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

(ا) یہ لوگ سباق ابن عبداللہ ابن قصی کی نسل سے ہیں (قصیؔ ابن کلاب حضرت نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد تھے) جو بلوچستان سے ہوتے ہوئے شہاب الدین غوری کے عہدِ حکومت ۵۹۵ھ/۱۱۹۹ء میں نوشہرہ کے قریب آباد ہوئے۔

(ب) عربی حرف قؔ ارامی لہجہ میں حرف کؔ پڑھا جاتا ہے۔

(ج) علاقہ راجستان کی قوم چلاک جو عربی النسل تھی۔ اسی زمانے میں ۶۰۰ھ میں مردان کے علاقے بائیزائے میں آباد ہوئی۔ آگے چل کر لکھتے ہیں "چلاک اور سباق دو بھائی تھے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ دو بھائی تھے ایک بلوچستان کے مشرقی حصہ توران کے سباکؔ میں رہا۔ دوسرا سراکؔ (چلاک) میں رہا۔ دہلی کی فتح کے بعد وادیٔ پشاور میں آباد ہوئے۔ ان کے مقامات سباکؔ اور چالاکؔ کہلائے۔ کیا یہ لوگ نسلاً سیّد ہیں؟ اور اگر ہیں تو حسینی سادات کے خاندانوں میں کس خاندان سے ہیں۔ یہ بحث چاہتا ہے۔ حیاتِ افغانی نے ان کو عربی خیل کہا ہے۔ ظاہر ہے عبداللہ

کی نسل کے سباکی بھی عربی ہیں۔ سادات میں بھی عربی خیل موجود ہیں..... یہ لوگ اسحاق الموافق ابن امام موسیٰ کاظمؒ کی نسل سے ہیں لیکن ان کے بعض دوسرے شجروں میں جیسا کہ حیاتِ افغانی نے بیان کیا ہے اور مختلف شجرے ترتیب دیئے ہیں۔ ان کا شجرہ سادات کے دوسرے خاندانوں سے ملتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

میرے خیال میں قاضی صاحب نے "سباک" گاؤں کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے وہ قریب الحقیقت نہیں ہے۔ میں اس بارے میں صرف یہ کہوں گا کہ گاؤں کا یہ نام ہمارے جدِ امجد کے یہاں آباد ہونے کے بعد پڑ گیا۔ اس سے پہلے یہ علاقہ ویرانہ تھا اور شہرِ صفا کہلاتا تھا۔ دلہ زاک ۱۵۳۰ء سے ۱۵۴۵ء کے درمیانی زمانے میں یہاں سے نکالے گئے۔ اس گاؤں کا نام ۱۵۴۵ء کے بعد ہی پیر سباک مشہور ہوا۔ اس لحاظ سے ۱۱۹۹ء بہت پہلے کا زمانہ ہے۔ ویسے ایک شجرے میں پیر سباک" کی چوتھی پشت پر بزرگ کا نام میر علی کی جگہ سید ولی لکھا ہوا ہے ساتھ ہی حاشیہ میں یوں درج ہے: بسنہ ۱۰۲ھ یا سنہ ۱۱۰۰ھ (سن واضح پڑھا نہیں جاتا) میں شہید ہوا۔ اس کی قبر پیر سباک کے گاؤں کے مشرق میں ہے۔ قطعہ تاریخ:۔

سید ولی چوں رفت ازیں سجن عارفان
تاریخ وصلِ او ز خرد جستم آں زمان
آمد ندا بہ گوش دلم گوش کن بہ من
شُد فوت او شہید قریشی نجی بدن
شد دفن نزد شہر صفا شرق رویہ دیہہ
یارب نصیب کن بعمر رحمتت لدیہہ

عمر شریفش آمده هشتاد هشت سال
آمد ندا به بنده ز درگاه ذوالجلال
آنجا ز نسل او ست بسے شائقانِ دین
شاہان ہند داده بدیشان ہماں زمیں

فاضل عقاب خٹک اپنی تالیف "پیر سباک" میں لکھتے ہیں:۔

"ان بے ربط اشعار سے کوئی تاریخ نہیں نکلتی اور کسی قریشی کے متعلق کہے گئے ہیں جو شہید کیا گیا تھا۔ ۱۰۰۲ھ میں پیر سباک کے پردادا کے یہاں آنے کا کوئی امکان نہیں ہے چہ جائیکہ یہاں دفن ہونا۔"

VII پیر سہاگ:۔ فاضل خٹک عقاب اپنی تالیف "پیر سباک" میں لقب کے عنوان سے لکھتے ہیں: "مراقبات رحمکار کی بعض بعد کی نقلوں میں سباک کو سہاک اور سہاک بھی لکھا گیا ہے۔ لیکن بادی النظر یہ دونوں مہمل ہونے کے ساتھ غلط بھی ہیں۔" سنسکرت زبان کا ایک لفظ "سہاگ" ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے۔ جس کے معنی ہیں "خوش نصیب"۔ "دولتمند"۔ عقاب خٹک صاحب اسی کتاب کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں:۔ "پیر صاحب کی بہت زیادہ جائیداد کی وجہ سے آپ کی اولاد صاحبِ ثروت ہوگئی تھی......" میرے خیال میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کثیر جائیداد کے ملنے کے بعد وہ پیر سہاگ کے نام سے مشہور ہوئے ہوں۔ اوپر دی گئی توضیحات اپنی بنا قوی اور مضبوط دلائل پر رکھتی ہیں۔ ان میں توضیحات III تا VI رئیس المحققین قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کے زورِ قلم کی مرہونِ منت ہیں جن کے بارے میں دانشوروں کا خیال ہے کہ ان کے لکھے کو احتیاط کے ساتھ پرکھنا چاہئے۔ محققیت کے زعم میں فرضی افسانہ طرازی کر رہے ہیں اور یہ ہماری آئندہ نسلوں کے لئے بہت مضر اقدام ہے۔" (بہادر شاہ ظفر)

"سباک" کے متعلق اب تک جتنی توجیہات لکھی گئی ہیں وہ سب کی سب ظنی و تخمینی ہیں۔ میرے خیال میں توجیہات I ، II ، III کچھ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہیں۔ اصلیت معلوم کرنے کے لئے مطالعے، وقت اور تحقیق کی ضرورت ہے۔

دادا

قطبِ ارشاد، غوثِ زماں، پیر شاہ اسمٰعیل قدس سرہ العزیز پیر سباکؒ کے دادا کا نام شاہ اسمٰعیل تھا۔ آپ سید میر علی کے فرزند تھے جو خود بھی مرشدِ کامل، ہادیٔ وقت اور مشہور ولی تھے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل کے حالاتِ زندگی صاحبِ کتاب "قصۃ المشائخ" نے "اخوند پنجوؒ" کے حوالے سے اور مولانا ملنگ نے کتاب "مناقب" کے حوالے سے جو حضرت سید آدمؒ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے لکھے ہیں۔ حضرت شاہ اسمٰعیل رحمت اللہ علیہ قطب الاقطاب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے ایک بزرگ کی خدمت میں رہتے تھے۔ ان کے ذمہ دریا سے پانی لانے اور پھر اس سے مرشد کو وضو کرانے کا کام تھا۔ کافی عرصہ وہ یہ خدمت کرتے رہے۔ ایک رات ان کے پیر نے ان کو دریا سے پانی لانے کا حکم دیا۔ دریا ملتان شہر سے دور تھا۔ شاہ اسمٰعیل حسب الحکم دریا کے کنارے پہنچے اور کوزے کو پانی سے بھر لیا کہ اتنے میں دریا کی مچھلیاں دریا کے کنارے آکر فصیح زبان میں گویا ہوئیں۔ "پیر شاہ اسمٰعیل قطب شاہ اسمٰعیل اور غوث شاہ اسمٰعیل" شاہ اسمٰعیل متعجب اور حیران اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے۔ صبح کے وقت مرشد نے ان سے رات کا واقعہ بیان کرنے کو کہا۔ انہوں نے رات کو جو کچھ دیکھا تھا من و عن بیان

کر دیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا "میرے تھنوں میں جتنا دودھ اور شہد تھا سب تجھ کو دے دیا۔ اب میرے تھنوں میں دودھ باقی نہ رہا۔ سب کو آپ پر نثار کر دیا اب تجھ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ اور مخلوقِ خدا کی صحیح رہنمائی کرو"۔ اپنے مرشد کے حکم پر آپ اٹھ کر علاقہ خوست آ گئے اور صحرا میں زیرِ زمین ایک غار میں رہنے لگے۔ ایک سال تک وہاں رہے۔ راوی کا بیان ہے کہ کھانے اور پینے کی حاجت سے بے نیاز تھے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمعہ اپنے صحابہ امیر المومنین عمر بن خطابؓ اور جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے غار کے دہانہ پر تشریف لائے۔ غار کے کنارے ایک سرسبز درخت تھا جس کی ٹہنیوں کو سوار مرد کے ہاتھ نہیں پہنچتے تھے۔ حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک بلند فرمایا۔ درخت کی ٹہنی جھک گئی۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ٹہنی کو پکڑا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ جاؤ غار کے اندر میرے بیٹے اسمٰعیل کو میرے پاس لاؤ۔ دونوں اصحابؓ آنحضرتؐ کے حکم پر غار کے اندر گئے اور شاہ اسمٰعیلؒ کو نبی اکرمؐ کے پاس لے آئے۔ جب شاہ اسمٰعیل نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھاگ کر اپنا سر حضورؐ کے مبارک قدموں میں رکھ دیا۔ شاہ اسمٰعیل کا جسم زخمی تھا جس میں جگہ جگہ کیڑے پڑ گئے تھے۔ حضور پاکؐ نے اپنا دستِ شفا ان کے جسم پر پھیرا۔ زخم ٹھیک ہو گئے اور اس کے بعد حکم دیا۔ "اسمٰعیل اس غار سے چلے جاؤ اور لوگوں کی خدائے ذوالجلال کی طرف رہنمائی کرو"۔ شاہ اسمٰعیل نے عرض کیا "حضور میں تو اَن پڑھ ناخواندہ ہوں میرے پاس تو خلقِ خدا کی تلقین ونصیحت کے لئے کچھ بھی نہیں"۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا "اس سے تمہیں کیا غرض تھوڑے ہی عرصہ

میں صاحبِ تکمیل ہو جاؤ گے"۔ اس کے بعد عرض کی۔ "حضورؐ چند التماسات رکھتا ہوں ان کو قبول فرمائیے"۔ حضور پاکؐ نے اجازت دی کہ کہو۔ شاہ اسمٰعیل نے چار التماسات عرض کیں جو حضورؐ نے قبول فرمائیں :۔

(۱) جس کسی کو تلقین کروں اور بیعت دوں وہ بخشا جائے۔

(۲) فقر و زہد کا یہ منصب روزِ قیامت تک میرے خاندان میں رہے۔

(۳) میرا ہر بیٹا جان ومال کا سخی ہو (میرے سب بیٹے رحیم وکریم ہوں)

(۴) اس آخری وقت میں بہت سے سادات اپنے دلوں میں خیالاتِ فاسدہ رکھتے ہیں میری اولاد میں کوئی رافضی پیدا نہ ہو (میرے لئے دردِ سر نہ ہو)

آنحضرتؐ نے چاروں التماسات کے قبول فرمانے کے لئے بارگاہِ ایزدی میں دعا فرمائی اور رخصت ہو گئے۔

اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے دن ان اطراف میں رہنے والے افغانوں کے خوگیانی قبیلے کی تین شاخیں: پڑبہہ[۱]، عبدالرحمٰن[۲] اور ہکن[۳] (لکہن) حکمِ الٰہی سے غار کے دہانے پر آئے۔ شاہ اسمٰعیل کو غار سے باہر لائے۔ تینوں قبیلوں کے افراد نے ان کو ساتھ لے جانا چاہا۔ نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچی آخر قبیلے کے ملکوں اور سفید ریشوں نے فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا۔ قرعہ پڑبہہ قبیلے کے نام نکلا۔ اس قبیلے کے افراد شاہ اسمٰعیل کو ساتھ لے گئے اور اپنے ملک (کد خدائے) کی بیٹی شاہ صاحب کی زوجیت میں دے دی۔ اس بی بی سے ان کے بہت سارے بیٹے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ آج بھی اس قوم میں صنوبر جیسی سرو قد اور صاحبِ جمال عورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

جس درخت کی ٹہنی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے چھوا تھا، اس کا پتہ کھانا آج بھی ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

حضرت سید اسماعیل بن محمد عمر بن میر علی سرمست گدائی قدس سرہم اور گزنی علاقہ تیراہ کے رہنے والے تھے۔ ملتان جاکر سہروردیہ سلسلہ کے کسی بزرگ سے بیعت ہوئے جو حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی قدس سرہ کی اولاد سے تھے۔ خوست علاقہ سمت جنوبی وزیرستان میں مجاہدے اور ریاضت میں مصروف رہے اور وہیں دسویں صدی ہجری میں وصال ہوا۔ وہیں مزار ہے۔ (احوال العارفین ص۵۰۶)

حضرت اسمٰعیلؒ کے دو بھائی تھے نوراللہ اور شاہ ابراہیم۔ آپ کا مزار مبارک علاقہ خوست میں ہے۔ ملنگ نے اس مقام کا نام "نوز" لکھا ہے جبکہ ایک شجرے میں یہ گاؤں "اسمارؒ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ زیارت گاہِ خاص و عام ہے اور لوگ قبولِ دعا کیلئے وہاں جاتے ہیں۔

آبائی وطن

پیر سباکؒ کے آباء واجداد بخارا سے آئے اور علاقہ خوست میں "مشکوہ" کے مقام پر بود و باش اختیار کی۔ چند نسلوں تک وہاں رہے۔ اس کے بعد چند بزرگ بلند خیل علاقہ کوہاٹ میں آباد ہوئے۔ کچھ دوسرے خوست کو چلے گئے اور بعض اصل خوست میں رہ گئے۔ الغرض جس بزرگ کو جو بھی جگہ پسند آئی وہاں آباد ہو گئے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ پیر سباکیوں کے اکثر شجروں میں جلال الدین حسین (لال شاہ بخاریؒ) کا ذکر آتا ہے جو اوچ شریف میں دفن ہیں۔ اس سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پیر سباکؒ کے بزرگ بخارا سے اوچ شریف، وہاں

سے ملتان اور ملتان سے خوست آئے جبکہ چالاک خیلوں کا شجرہ اوچ شریف سے نہیں ملتا لیکن ان کی اولاد کے بقول ان کے جدامجد پیر چالاک اس علاقہ میں آنے کے بعد واپس بخارا چلے گئے اور ان کا مزار مبارک بھی بخارا میں ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس خاندان کا تعلق بخارا سے کافی عرصہ تک رہا۔

ایک تاریخی روایت ہے کہ جلال اعظم ابوالبرکات میر سرخ بخاری (متوفی ۶۹۰ھ) کے دو فرزند آپ کے ساتھ بخارا سے آئے تھے۔ وہ وہاں کے بادشاہ کے نواسے تھے۔ ان کے نام تھے علی اور جعفر۔ جعفر واپس بخارا چلا گیا اور علی یہاں ہندوستان میں رہ گیا۔ اس علی کا نام "تذکرہ سادات مشہدیان" میں علی کبیر درج ہے۔ شاہ بخارا کا نام تھا طاہر ابن یعقوب۔ یہ طاہر سید اسحاق الامیر ابن موسیٰ کاظمؒ کی نسل سے تھے۔۔۔۔۔۔

اب شجرہ لکھنے والوں نے یوں کیا کہ علی کبیر کو ابن بنت عبداللہ طاہر بن یعقوب لکھنے کی بجائے علی کبیر ابن طاہر یعقوب لکھا اور شجرہ ہاکی سادات سے ملایا گیا۔

اگر یہ نئے معلومات صحیح ہیں تو حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری کے والد احمد کبیر اور حضرت سید علی کبیر دونوں بھائی ہیں اور وہ جو آپ لوگ سید مخدوم جہانیاں سے اپنا شجرہ ملایا کرتے تھے اس میں یوں ترمیم کرنی پڑے گی کہ پیر سباکی سادات حضرت مخدوم جہانیاں کے بڑے چچا صاحب کی نسل سے ہیں۔ (بحوالہ مکتوب قاضی عبدالحلیم اثر افغانی مورخہ ۹-۴-۷۹)

شجروں کے باہمی تفاوت کے باوجود میرے خیال میں تین باتیں مشترک ہیں:

(۱) یہ بخاری سادات کا خاندان ہے۔

(۲) جلال الدین پہلے بزرگ تھے جو بخارا سے تشریف لائے۔

(۳) امام موسیٰ کاظمؒ کی اولاد سے ہیں۔

آبائی پیشہ

بقول مصنف "قصۃ المشائخ" اس خاندان کا فقیری، درویشی اور کسب حلال کے سوا کوئی دوسرا شعار نہیں۔ اس خاندان کے اکثر بزرگ کھیتی باڑی اور تجارت بھی کرتے تھے"۔

والد

شیخ ابابکر قدس اللہ سرہ العزیز پیر سباکؒ کے والد بزرگوار تھے بعض تحریروں میں نام ابوبکر لکھا ہے۔ اپنے والد حضرت شاہ اسمٰعیل کے بڑے بیٹے تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام مقرر ہوئے طریقہ عالیہ سہروردیہ میں اپنے والد سے مجاز اور ماذون تھے خلق خدا کو دعوت حق دیا کرتے تھے۔ ان کے مریدوں میں شیخ بہادر خان المعروف ایک بابا، شیخ نسک دیوانہؒ اور شیخ حسن افغان ساکن شیدو شامل تھے۔ یہ تینوں بزرگ ان کی صحبت میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ معنوی کمالات، اچھے اخلاق اور بلند مرتبے کے حامل ہوئے۔

حضرت سید ابوبکر بن حضرت سید اسماعیل قدس سرہما اپنے والد بزرگوار سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت ہو کر مجاز طریقت ہوئے۔ اور والد بزرگوار کے بعد مسند نشین ہوئے آپ کے خلفاء میں حضرت شیخ بہادر خان المعروف ایک خان قدس سرہٗ متوفی سنہ ۱۰۰۱ھ یا سنہ ۱۰۰۷ھ والد بزرگوار حضرت شیخ رحمکار المعروف کاکا صاحب قدس سرہٗ۔ آپ کا مزار خوست میں ہے۔ (کتاب احوال العارفین ص۵۰)

اب ہم ان تینوں بزرگوں کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں:-

بہادر خان باباؒ

المعروف بہ ایک صاحب حضرت مست باباؒ کے فرزند ارجمند اور اپنے زمانے کے قطب گزرے ہیں۔ حضرت شیخ رحمکار المعروف کاکا صاحبؒ ان کے بیٹے تھے۔ ایک باباؒ کا مزار اقدس قصبہ زیارت کاکا صاحبؒ سے بجانب جنوب مغرب ۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور منبع فیوض و برکات ہونے کی وجہ سے مرجع خلائق ہے۔ ان کی اولاد ایک خیل کہلاتی ہے۔

تاریخ وفات بعض تذکروں میں ۱۰۰۷ھ اور بعض میں ۱۱ شعبان ۱۰۲۷ھ درج ہے۔ طریقہ عالیہ سہروردیہ اور چشتیہ دونوں میں بیعت تھے۔ صاحب مجمع البرکات نے ان کے سلسلہ چشتیہ کے مرشد کا نام شیخ محمد جعفر لاہوریؒ لکھا ہے۔ مفتی سیاح الدین صاحب نے ان کے سہروردیہ سلسلے کے پیر کا ذکر نہیں کیا۔ اب اگر ان کا سلسلۂ طریقت جداً د اباً نہ ہو تو "قصۃ المشائخ" کے کہنے کے مطابق شاہ ابابکرؒ ہی اس سلسلے میں ان کے پیر طریقت ہو سکتے ہیں کیونکہ "قصۃ المشائخ" کے باقی ذکر کردہ دو بزرگ شیخ حسن اور شیخ نسک تو یقیناً شیخ ابابکرؒ کے مرید تھے۔

کتاب احوال العارفین میں بھی بہادر خان المعروف ایک صاحبؒ کو حضرت شیخ ابابکرؒ کا مرید اور خلیفہ لکھا گیا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت پیر سباکؒ، شیخ بہادر خان باباؒ کے مطالبے اور دعوت پر علاقہ خٹک میں تشریف لائے۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ بہادر خانؒ نے اپنے پیر و مرشد شاہ ابابکر قدس اللہ سرہ العزیز سے عرض کی کہ اپنے ایک

بیٹے کو عنایت و شفقت فرماکر میرے ساتھ روانہ فرمادیں تاکہ اور لوگ بھی ان کے فیض سے فائدہ اٹھاسکیں، شاہ ابابکرؒ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور اس طرح پیر سباکؒ پشاور کے مضافاتی علاقہ خٹک میں آگئے اور موضع دلئی میں سکونت اختیار کی۔

خوشحال خان خٹک نے "سوات نامے" میں جہاں یوسف زئیوں کو شاہ عیسیٰ کا مرید لکھا ہے، اورک زئی اور آفریدیوں کو روشنائی بتایا گیا ہے غوریہ خیل شاہ قاسمؒ کی فیض یا برکات سے بہرہ ور ہو رہے ہیں اور شیتک یا بنوچی پیر ڈنگر کے مطیع و فرمان بردار ہیں، وہاں تمام خٹک قوم کو شاہ ابابکرؒ اور ان کے بیٹے شاہ منصور کا مرید بتایا گیا ہے۔ نابغۂ افغان اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ قوم خٹک ان ہی کی وجہ سے بدعت دفساد سے بچی ہوئی ہے۔

هغه وخت چه پیر روښان فساد بنیاد کړ
پښتو ورسره تښیک کار د فساد کړ
پښتانه په هغه دود پیر پرست وو
څوک مرید د شاه عیسیٰ څوک د سرمست وو
د روښان بخره ورک زئ آفریدی شول
هغه خوښ په رهزنئ په عنیدی شول
د قاسم په بخره واره غوریه خیل وو
ډنګر پیروسته د بنوشیتک ایل وو
ختک واره بوبکری پیر منصوری وو

له بدعته له فساده په دوری وو
یوسف زیه همه واره عیسائي وو
ملکانو سره کړه په رسوائي وو

ابوبکر او پیر منصور دواړه تر خوشحال د مخ (۹۰۰ھ حدود) د ختکو پیران تیر شوي دي۔ چې د خوشحال خان له دغه بیته پی مونږ پیژنو خو دا چې خوشحال خان غوندې نقاد سړي دوي پیروائ "له بدعته او فساده لیرې" ګڼي دا ښکاري چه دوي به ښه خلک وو۔ د اخوند درویزه په تذکره کې به " ابو بکر قندهاري پیر ختک " یاد شوي دي۔ چې اصلا متي زئ خیل او د شیخ کټه له کړي سیانو څخه و۔ بابکر خیل متي زي د ته منسوب دي۔ بناًئ چه دلته به دغه سړي مراد وي اما پیر منصور د پیر عمر بابړ زوي او د بنوں او پیښور تر منځ د ختکو پیر و۔ (صوات نامه۔ حاشیه از عبدالحی حبیبی)

ترجمہ: ابوبکر اور منصور دونوں بقول خوشحال خان (زمانہ ۹۰۰ھ) خٹک قبیلے کے پیر گزرے ہیں۔ جن کو خوشحال خان کی اس شاعری کی وجہ سے ہم پہچانتے ہیں۔

چونکہ خوشحال خان جیسے نقاد ان بزرگوں کے پیروکاروں (معتقدین) کو بدعت اور فساد سے دور سمجھتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ اچھے لوگ ہوتے ہوں گے اخوند درویزہؒ کے تذکرے میں ابوبکر قندھاری کے نام سے خٹکوں کے ایک پیر کا ذکر کیا گیا ہے جو اصل میں متی زی خلیل اور شیخ کٹہ کے پڑپوتوں میں سے تھا۔ بابکر خیل متی زئی ان سے منسوب ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ یہاں مراد یہی بزرگ ہیں۔ لیکن پیر منصور پیر عمر باباڑ کا بیٹا اور بنوں پشاور کے درمیان آباد خٹکوں کا پیر تھا۔

مندرجہ بالا بیان میں فاضل حبیبی نے ابوبکر خوستی اور ابوبکر قندہاری میں فرق نہیں کیا۔ اخوند درویزہؒ کے بیان کا ذکر بعد میں آجائے گا۔ جس میں وہ ابوبکر اور پیر عمر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ان کو ایک ہی خاندان کے افراد سمجھتے ہیں۔ ابوبکر قندہاری کا ذکر خوشحال خان نے تذکرہ اولیاء کے حوالے سے تاریخ مرصع میں کیا ہے۔ اور ان کو پشتونوں کے سڑابن شاخ کے مشائخ میں سے شمار کیا ہے۔ قاضی اثر افغانی نے بھی اپنے ایک مقالے میں ابا بکر ابن خواجہ محمد زاہد ابن شیخ میرداد ابن شیخ سلطان ابن شیخ کٹہؒ کا ذکر کیا ہے۔ جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

" ان کی اولاد " کو ' بابکر خیل ' کہتے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ صاحب خان اولاد صاحب خان خیل کے نام سے مشہور ہے۔ صاحب خان کا ایک بیٹا فتح خان تھا۔ فتح خان کی اولاد فتح خان خیل کہلاتی ہے۔ یہ دونوں گھرانے باجوڑ میں آباد ہیں۔ ابوبکر کی زیارت علاقہ تیراہ اورک زئی درہ علی شیر زئی کے موضع سپیری (چپارک) میں واقع ہے۔

ابا بکر ابن خواجہ محمد زاہدؒ پشین بلوچستان کے اس مشہور علمی۔ ادبی اور تاریخی گھرانے کے ایک بزرگ تھے۔ جن کے مورث اعلیٰ خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ متوفی ۴۸۱ھ / ۱۰۸۶ء تھے اس جلیل القدر خاندان میں روحانی اور عرفانی مرتبہ رکھنے والے صاحب تصنیف کئی اور بزرگ بھی گزرے ہیں جیسے (۱) شیخ محمودؒ المعروف بہ شیخ متی۔ قلات باباؒ۔ مصنف کتاب " د خدائی مینہ " وفات ۶۸۸ھ (۲) شیخ یوسفؒ (۳) غوث الزمان شیخ کٹہؒ (۷۸۸ھ) مصنف کتاب " لرغونی پښتانہ " (۴) شیخ میردادؒ خلیل متی زئی زمانہ ۸۶۲ھ (۵) خواجہ خضر زمانہ ۱۰۳۱ھ۔ مصنف کتاب ' تاریخ الافغان ' (۶) شیخ قدم زمانہ ۹۵۱ھ ان کی زوجہ حضرت بی بی گلہؒ مصنفہ کتاب ارشاد الفقراء تھیں۔ (۷) پیر قاسم وفات ۱۰۱۶ھ مصنف ' تذکرۃ اولیاء '

(۸) میاں واصل ابن پیر شیخ قاسمؒ مشہور روشانی المسلک شاعر تھے۔ جن کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف خوشحال خان نے بھی کیا ہے (۹) شیخ کبیر ابن شیخ قاسم (۱۰) عبدالمومن ماشوگگر (۱۱) شیخ امام الدین نعمت اللہ (وفات ۱۰۶۰ھ) مصنف کتاب ' تاریخ افغانی (۱۲) شیخ میاں نعیم متی زی خلیل زمانہ ۱۲۳۰ھ ..... پیر روشان بھی اس خاندان کے ایک ممتاز فرد تھے ..... [illegible] پشاور کے پیر صاحبان اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔" (بحوالہ مقالہ پشین کا آستانہ دار حضرت شیخ کٹہؒ متی زئی از عبدالحلیم اثر افغانی۔ ماہنامہ اولس کوئٹہ نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۳ء)

مختصر کلام یہ کہ ابوبکر ابن شاہ اسماعیل ابن میر علی اور ابوبکر ابن خواجہ محمد زاہد ابن شیخ سلطان ابن شیخ کٹہ رحمۃ اللہ علیہ دو بالکل ہی مختلف آستانہ دار گھرانوں کے بزرگ افراد تھے۔

بہادر خان باباؒ بھی قوم کے لحاظ سے کرلانی خٹک تھے اس لئے انہوں نے ضرور شیخ ابوبکرؒ سے بیعت کی ہوگی اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ خان کے مندرجہ بالا اشعار سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ شیخ ابابکرؒ پیر روشان کے ہم عصر اور ان کے مخالف تھے۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

شیخ نسکؒ خٹک کرلانی

شیخ نسک اور ان کے بڑے بھائی شیخ حسن دونوں سید شاہ ابابکرؒ کے مرید تھے۔ قوم کے خٹک تھے۔ موضع ٹیری (ضلع کوہاٹ) کے رہنے والے تھے۔ ٹیری سے گرگری جانے والی سڑک پر ۴-۵ میل کے فاصلے پر دفن ہیں۔ ان کی زیارت پر کافی لوگ جاتے ہیں اور نسک بابا کے نام سے مشہور ہیں صاحب حال وجلال ہونے کے باوجود شریعت مطہرہ کے بیحد پابند تھے۔ ان کی بہت سی کرامات کا ذکر " تاریخ مرصع " میں مرقوم ہے۔

(١) روایت ہے کہ شیخ نسک قدس اللہ سرہٗ العزیز ٹیری گاؤں میں پیدا ہوئے شیخ ابابکرؒ خوست میں تھے۔ شیخ نسکؒ نے ان پر سلام بھیجا۔ شیخ ابابکرؒ خوست سے شیخ نسک کو دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے۔ جب درہ پہنچے تو شیخ نسک کے سلام کا جواب دیا۔ حسنؒ شیخ نسک کا بڑا بھائی تھا۔ انہوں نے شیخ ابابکرؒ سے دریافت کیا۔ "آپ نے کس کے سلام کا جواب دیا؟" شیخ ابابکرؒ نے جواب دیا کہ انہوں نے شیخ نسک کے جواب میں علیک کہا۔ شیخ حسن نے کہا۔ "ہم نے اس کا نام نسکؔ نہیں رکھا"۔ شیخ ابابکرؒ نے فرمایا "ان کا نام حضورِ حق تعالیٰ سے نسک دیوانہ رکھ دیا گیا ہے۔ جب میں گرگین چلی کے مقام پر پہنچا تو انہوں نے مجھے سلام کیا اور اب میں نے اس کا جواب دیا۔

(٢) روایت ہے کہ مہمندی قبائل شکار کے لئے روانہ ہوئے۔ انہوں نے شیخ نسک سے کہا۔ "آپ ہمارے دیوانے ہیں، ہمارے ساتھ جائیں۔ ہم آپ کو اپنے حصہ سے ایک مصلّٰی اور شکاری جانور کا ایک عضو زیادہ دیں گے۔" شیخ نسک ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب "کرہٹر" کے تالاب پر پہنچے تو قبیلے کے لوگوں نے ایک کاروان کو گھیر لیا اور کافی لوٹ مار کی۔ شیخ نسک نے ان کو لوٹ کا مال واپس کرنے کو کہا کیونکہ یہ حرام تھا انہوں نے ایسا نہ کیا۔ شیخ نسک ان سے ناراض ہو کر بونیر چلے گئے۔ سات سال "تور ورسک" میں گزارے۔ سات سال تک مہمندی قبائل قحط میں مبتلا رہے۔ وہ روتے ہوئے شیخ ابابکرؒ کے پاس گئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور قحط کے خاتمے کے لئے دعا فرمائیں شیخ ابابکرؒ نے فرمایا۔ "شیخ نسک تمہارے لئے مثل چوبی منذہ تھا جب تک تم اسے ساتھ نہیں لاؤ گے یونہی قحط میں مبتلا رہو گے۔" اس کے بعد قبیلے کے دس افراد بونیر گئے۔ شیخ نسک کو ساتھ لائے۔ ہر گھرانے کے اوپر دو عدد بچھڑے اور دو عدد دُنبے بطور نذرانہ شیخ نسک کے لئے منظور کئے مگر بعد میں وہ اس وعدے سے مکر گئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بچھڑے گائیوں سے اور لیلے بکریوں سے جدا ہو گئے۔ کسی نے ان سے کہا کہ یہ شیخ نسک کی نذر سے پھر جانے کا حشر ہے۔ انہوں نے اصل نذر مع سو زائد بکروں کے شیخ نسک کو بطورِ نذرانہ پیش کی۔ تب جا کر وہ قحط ختم ہو گیا۔ بچھڑے گائیوں سے اور لیلے بکریوں سے مل گئے۔

(٣) روایت ہے کہ شیخ نسک تور ورسک میں تھے۔ بونیر کے لوگوں نے تین بار ان کا جھونپڑا بنایا۔ صبح کے وقت اس کی چھپت گری ہوئی ہوتی تھی۔ انہوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ شیخ نسک نے فرمایا۔ "جن مرض کوڑھ میں مبتلا ہیں وہ میرے پاس التجا لے کر آئے۔ میں نے ان کو اپنے جھونپڑے کے خس و خاشاک جلا کر دھواں کرنے کی اجازت دی تا کہ اس مرض سے شفا پائیں۔

(٤) روایت ہے شیخ نسک بونیر میں تور ورسک کے مقام پر قیام پذیر تھے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں ایک چشمے کے کنارے پر بیٹھے رہتے تھے اور شیر ان کے گرد جمع ہوتے تھے۔ تو پچیاتو نے یہ حال دیکھا۔ گاؤں آئے اور یہ حال بیان کیا۔ لوگوں سے کہا کہ جا کر اس شخص کا حال معلوم کریں کہ شیروں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جب وہ وہاں گئے تو دیکھا کہ شیخ نسک وہاں چشمے کے کنارے لیٹے ہیں اور شیر وہاں موجود نہیں۔

(٥) روایت ہے کہ شیخ نسک ٹیری سے روانہ ہو پیر پوئی کے مقام پر قیام کیا۔ ان کا ایک گھوڑا تھا۔ اس کو بیچنے کے لئے پشاور روانہ ہوئے جب نوشہرہ کے قریب پہنچے تو گھوڑے نے ان سے کہا۔ "اے نسک مجھے

منت بھیجو۔ آپ کو ساتویں دن دنیائے فانی سے جانا ہے۔ آپ کا جنازہ میرے اوپر لایا جائیگا۔" براقو نه به دتا چیری وی لیکن دا ما ځ بی بی مریمه چه دیشتهٔ شی هغه دا ما په ما ولد۔" شیخ نسک نے یہ درخواست قبول کی۔ ساتویں دن دارالفناء سے دارلبقاء کی طرف کوچ فرمایا۔ شیخ نسکؒ کا جنازہ اسی گھوڑے پر رکھا گیا۔ جوں ہی جنازہ قبرستان پہنچ گیا گھوڑا غائب ہوگیا۔

(۲) روایت ہے کہ شیخ نسکؒ نے فرمایا۔ "جس کسی کو کوئی حاجت پیش آجائے وہ سات عدد نسک خیل اپنے گھر مہمان بلائے۔ اپنے حال کے مطابق نذر مانے حق تعالٰی اسکی ہر مراد پوری فرمادے گا۔

شیخ حسن

کتاب "مناقب زین الدین" میں یہ نام شیخ حسن افغان ساکن شیدو لکھا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ کتاب نے "حسن" نام کے دو بزرگوں کو آپس میں غلط ملط کردیا ہے۔ شیخ حسن افغان بہت پہلے گزرے ہیں۔ جو شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے مرید تھے "تاریخ مرصع میں ان کا ذکر غرغشتی قوم کے مشائخ میں کیا گیا ہے۔ بہرحال صحیح حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیخ حسنؒ شیخ نسک کے بڑے بھائی تھے۔ جن کا ذکر پہلے گزرچکا ہے۔

اس لئے میں ان کی فاتحہ نہیں پڑھ سکتا۔" واللہ اعلم۔

پیر سباکؒ کے والد شاہ ابابکرؒ کا مزار اقدس خوست میں ہے اگرچہ موضع پیراں کے ملک شیر بادشاہ ابن ملک تلاوت شاہ مرحوم کا بیان ہے کہ شاہ ابابکرؒ

موضع بیت الغریب میں دفن ہیں۔ پیر زین الدین کے مقبرے کے باہر ایک قبر ان کی بتائی جاتی ہے۔ اس روایت کے مطابق بہادر خان بابا حضرت پیر سباکؒ کی بجائے ان کے والد ماجد سید ابابکرؒ کو ساتھ لائے تھے اور پھر وہ یہیں بیت الغریب میں فوت ہوگئے۔ لیکن بوجوہ صحیح روایت نزد حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ شاہ ابابکرؒ کا مزار خوست ہی میں ہے۔ واللہ اعلم

والدہ ماجدہ

سیدنا پیر سباکؒ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی بی بی حلیمہ تھا۔ جو آفریدی قبیلے کی قنبر خیل شاخ سے تعلق رکھتی تھیں اور موضع میدان کی رہنے والی تھیں۔

سید شاہ ابابکرؒ کی دو بیویاں تھیں۔ دوسری بیوی کا نام نور جان تھا۔ وہ خوست کی رہنے والی تھی۔ خان خیل قوم سے تھیں۔ ان کے بطن سے شاہ ابابکرؒ کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ پیر اَمر یا عمرو اور منصور علی یا شاہ منصور

بھائی

اب تک جتنے شجرے بھی ملے ہیں ان میں پیر سباکؒ کے صرف دو بھائیوں کا ذکر ہے۔ پیر اَمر (یا عمرو) اور پیر منصور (یا منصور شاہ) یہ دونوں پیر سباکؒ کے سوتیلے بھائی تھے۔ عقاب خٹک صاحب نے بعض شجروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ پیر سباکؒ کے چھ بھائی تھے۔ وہ پیر چالاک اور اکبر کے نام زائد بتاتے ہیں۔

پیر اَمر یا عمروؒ

پیر سباکؒ کے بڑے بھائی تھے۔ ان کی اولاد علاقہ کنڑ یا کنہار ملک افغانستان میں آباد بیان کی جاتی ہے۔ ایک شجرے میں ان کی اولاد کی ایک شاخ کا شجرہ یوں درج ہے :-

حنیف شاہ ابن اسلم شاہ ابن محمد غوث ابن میاں نور
ابن پیر بلال ابن سید جلال ابن پیر شاہ ابن پیر عمر

سادات بلند خیل ٹل بھی حضرت پیر عمرؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی ایک شاخ پیر درہ موضع ارمڑ پایاں ضلع پشاور میں آباد ہے

شاہ منصورؒ

پیر سباکؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی اولاد میں سے پیر سید جمال شاہ خوست سے چل کر کوہاٹ کے موضع جنگل خیل میں آباد ہوئے۔ ان کی اولاد "منصور خیل" کے نام سے مشہور ہے۔ پیر سید جمال شاہ کا مزار شریف کوہاٹ کے پرانے سول ہسپتال کے باہر ہے۔ شاہ منصورؒ بھی خوست میں دفن ہیں۔ پیر سید نور جمال شاہؒ المعروف ڈور بابا کے مقبرے کے اندر ایک دوسری قبر ان کے ایک خلیفہ اور بالکے کی بیان کی جاتی ہے۔ پیر خیلوں کے ایک بزرگ کی زیارت زیارت ملا خوشحال نیکہ کے نام سے کوہاٹ میں ایک پہاڑی پر واقع ہے (رمضان مجاور زیارت پیر نور جمال شاہ) اس خاندان کے تین افراد سید بادشاہ، حاجی محی الدین اور کرنل (ریٹائرڈ) انور شاہ سے میری خط و کتابت ہوئی۔ اس سلسلے میں میں اپنے کرم فرماؤں جناب سید سلطان بادشاہ پیر خیل اور جناب ایوب صابر صاحب کا مشکور ہوں جن کے ذریعے سے مجھے ان مندرجہ بالا حضرات کا تعاون حاصل ہوا۔

جنگل خیل کوہاٹ میں تین خاندان آباد ہیں :- شنواری۔ منصور خیل، پیر خیل
کوہاٹ ڈسٹرکٹ گزیٹیئر کے مصنف نے پیر خیلوں کو پیر تاریکی (پیر روشان) کی اولاد بتایا ہے۔ منصور خیلوں کو پیر خیل کی ایک شاخ لکھا ہے[1]۔ صابر صاحب نے پیر قاموس شاہ ایڈوکیٹ پیر خیل کے حوالے سے لکھا ہے :" پیر خیل سید جلال الدین بخاری کی اولاد ہیں۔ بعد کے ناموں میں سید ابوبکر اور ان کے بیٹے سید عمر کے نام آتے ہیں۔ سید عمر کے تین بیٹے تھے :-

(۱) منصور (جو سوتیلا تھا)
(۲) پیر حسن (جن کی اولاد میں سلطان بادشاہ وغیرہ شامل ہیں)
(۳) معصوم شاہ (جو پیر خیلوں کا جد امجد ہے)

سید معصوم شاہ کے دو بیٹے تھے :- پیر روح اللہ۔ پیر مطیع اللہ۔

---

[1] The saids of Pir Khel and Mansur Khel are Said to be descended from the Pir Tarikhi mentioned in Major James' settlement report of the Peshawar District. Pir Tarikhi had at one time a great following amoung the Khattaks. There are now no acknowledged members of of the Sect remaining. Page 69-70 of Gazetter of Kohat District (1883-4)

شاعر پیر مطیع نیکہ کا تعلق پیر خیل قبیلے سے ہے (ایوب صابر)

پیرخیل انہی دو بزرگوں سے پھیلے ہیں جبکہ ایک اور شجرۂ نسب میں پیر مطیع اللہ وغیرہ کے والد کا نام "پیر کانیستن" درج ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے پیر خیلوں کا شجرہ ہاتھ نہ آسکا۔ منصور خیلوں کے جو شجرے مجھے ملے ہیں وہ اولادِ پیر سباکؒ کے شجروں سے ملتے ہیں اور ان میں چنداں فرق نہیں ہے۔ اس لئے یقیناً منصور خیل پیر سباکؒ کے بھائی شاہ منصورؒ کی اولاد سے ہیں۔ پیرخیل کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ روشنائی تحریک کے ختم ہونے کے بعد مغل بادشاہوں نے پیر روشان کی اولاد کو ہندوستان کے مختلف حصوں میں جاگیریں دیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ چونکہ پیر روشان کے خلاف آنا شدید پراپیگنڈہ ہوچکا تھا کہ عام لوگوں کی نظر میں اس کے عقائد ناقابل برداشت تھے اسلئے شاید اس کی اولاد نے بھی اس کے ساتھ رشتہ توڑ دیا ہو اور دیگر آستانہ دار گھرانوں سے گھل مل گئے ہوں۔

خوشحال خان کے ایک شعر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ منصورؒ کے ماننے والے روشنائیوں کے سخت مخالف تھے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ مشت بہ گریبان رہے۔ ملاحظہ ہو۔

قاسمی شاہ عیسائی سرہ یہ جنگ دو روښانی پیر منصوری سرہ یہ دا رنگ دو

پیر سید بادشاہ منصور خیل کا شجرہ نسب یوں ہے:۔

سید بادشاہ ابن ملنگ شاہ ابن سید سیدان شاہ ابن بہادر شاہ ابن بلے شاہ ابن سید عبداللہ شاہ ابن سید حسن شاہ ابن سید جمال شاہ ابن پیر شاہ منصور ابن سید عمر شاہ ابن سید ابوبکر۔

کرنل (ریٹائرڈ) انور شاہ نے سید قمرالدین منصور خیل کا شجرہ بھیجا ہے جو یوں ہے

گلاب دین و میر ضاءالدین ابنائے قمرالدین ابن شاہ نواز ابن پیر باز ابن عبدالواحد ابن سید حسن ابن سید لقمان ابن سید توغان شاہ ابن پیر جمال ابن شاہ منصور ابن سید عمر ابن سید ابوبکر۔

منصور خیلوں کے ان شجروں میں سید عمر کو شاہ منصور کا باپ لکھا گیا ہے جبکہ پیر سباکیوں کے شجرے کے مطابق وہ شاہ منصور کا بھائی تھا۔

قدوۃ المشائخ پیر چالاکؒ

اخوند درویزہ نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں پیر چالاک کو پیر عمر کا بھائی لکھا ہے اور ان دونوں کو خٹک افغانوں کا پیر بتایا ہے۔ ملا شمس الدین نے اپنی تصنیف "مناقب شیخ رحمکارؒ" میں پیر چالاک کو روشنائی لکھا ہے اور "مناقب فقیر صاحب" سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پیر چالاک کو اسی خاندان میں سے سمجھتے تھے۔ میرے پاس جتنے شجرے ہیں ان میں ان کا نام نہیں ہے۔ البتہ چالاک خیلوں کا جو شجرہ میرے ہاتھ لگا ہے اس میں شجرہ تقریباً گیارہ پشتوں تک پیر سباکیوں سے ملتا ہے۔ اس لئے اغلب خیال یہی ہے کہ پیر چالاک پیر سباک کے بھائی تھے ان کی اولاد آج کل موضع پیر خیل علاقہ لکی ضلع بنوں میں آباد ہے۔ آستانہ دار گھرانہ ہے اور ضلع بنوں کے کئی دیہات میں ان کو بوجہ پیری مریدی "سیری" ملے ہیں۔ ان کے آباؤ واجداد کے مزارات پر خاص و عام دعا مانگنے جاتے ہیں۔

ان کی اولاد کے بقول پیر چالاک کا مزار مبارک بخارا میں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واپس بخارا چلے گئے تھے۔ ان کی اولاد کے متعلق مشہور ہے کہ جس کسی

کو کوئی حاجت پیش آجائے وہ نو افراد چالاک خیل اور ایک میراثی کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ ان سے ہاتھ اٹھواتے ہیں۔ حق جل شانہٗ اس آدمی کی مراد پوری کر دیتا ہے۔

پیر چالاکؒ کا اسم مخصہ معلوم نہ ہو سکا۔ شجروں میں بھی ان کا نام یوں ہی لکھا گیا ہے لیکن "سباک" کی طرح "چالاک" یا پشتو رسم الخط میں "خالاک" ان کا عرفی نام معلوم ہوتا ہے۔ پینتو نخوا میں چالاک، خالاک یا سالاک کے نام سے تین مشہور تاریخی شخصیتیں گزری ہیں اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ان میں سے دو کے بھائیوں کا نام بھی "سباک" ہے۔

اب ہم چالاک کے معنی کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

جناب یوسف سلیم چشتی اپنی تالیف "شرح جاوید نامہ" میں لکھتے ہیں:۔

"مجاہدہ کی بدولت سالک میں چار خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں:

(ا) وہ حرص و ہوا (مسِ شیطانی) سے پاک ہو جاتا ہے۔ (پاک)

(ب) اس میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے۔ (محکم)

(ج) عروجِ روحانی کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ (سیار)

(د) اس کی دماغی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ (چالاک)

ان خوبیوں کی بدولت وہ عالمِ ناسوت کو طے کر کے عالمِ لاہوت میں پرواز کرنے لگتا ہے اور فرشتوں کے مقام سے اور جنت الفردوس سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فنافی الرسول ہو جاتا ہے۔ اور جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

اس خیال کی تائید ان تین بزرگوں کے حالاتِ زندگی اور مدارجِ سلوک پڑھنے کے بعد بھی ہوتی ہے۔

اب ہم باقی دو بزرگوں کے حالات کا مختصر ذکر کرتے ہیں جو چالاک کے نام سے مشہور و معروف تھے۔

اخوند چالاکؒ

مشہور عالم، غازی اور فقیر تھے۔ کئی کتابوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ ان کو ملا کابل گرام بھی کہتے ہیں تحفۃ الاولیاء، مناقب فقیر جمیل بیگ اور تاریخ مرصع میں ان کا ذکر آیا ہے جو مختصراً یوں ہے:۔

وہ طوغہ کے رہنے والے تھے اور طوغہ اصل میں ترین افغان ہیں۔ ان کے والد علاقہ خٹک میں مقیم تھے اور وہیں ان کی زیارت ہے۔ اخوند صاحب بہاکو خان کے عہد میں علاقہ یوسف زئی جا کر غازیوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا کرتے تھے اور سلسلۂ جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ ان کو پسند آیا۔

"تذکرہ شیخ رحمکار" میں لکھا ہے۔ اخون چالاکؒ اصل میں ملک ترکستان کے ایک صاحبِ املاک و جائیداد بزرگ تھے۔ ترکِ وطن کر کے اخون پنجوؒ سکنہ اکبر پورہ کے ہاں آئے۔ کچھ مدت وہاں رہے۔ شمالی کوہستان اباسین کے کفار سے جہاد کا ارادہ کیا۔ اخون پنجوؒ نے دعا اور امداد کے لئے کاکا صاحبؒ کے پاس بھیجا اور کاکا صاحبؒ نے انہیں شیخ جمیل بیگ (مرید خاص کاکا صاحب) کے پاس روانہ کیا۔ شیخ جمیل بیگ سے مالی امداد لے کر علاقہ صوابی پہنچے۔ بہاکو خان یوسف زئی سردار ان کے ساتھ ہو گیا اور علاقہ بکلی، الائی، تندیاڑہ اور

کوہستان چیلاس تک کافروں کو شکست دی اور وہاں دینِ اسلام کو پھیلایا۔

اخون سالاک رح نے اسی علاقہ کے مقام کابل گرام میں وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے۔ عبدالحلیم اثر صاحب نے ایک جگہ ان کا سنِ وفات ۱۰۶۷ھ اور دوسری جگہ ۱۰۷۵ھ لکھا ہے۔ اخون سالاک صاحب تصنیف بزرگ تھے جن میں فتاویٰ غربیہ، بحرالانساب غزویہ اور مناقب اخون پنجو مشہور ہیں ان کے ایک بھائی کا نام اخوند سباک رح تھا۔ یہ بھی اخوند پنجو رح کے مرید تھے۔ ان کا مزار اقدس علاقہ یوسفزئی میں تپہ سدوم کے گاؤں موضع بھڑوچ سے تین چار میل کے فاصلے پر ہے اور موضع رستم کے شمال میں واقع ہے۔ ان کی اولاد موضع بھڑوچ، جیملہ کے جنگئی، کوریا، کدال اور کلائی پورن میں آباد ہے گوجر گڑھی کے میاں شاکراللہ صاحب ان کی اولاد میں سے ہیں۔

حواشی تواریخ حافظ رحمت خانی صفحہ ۸۴۶ - ۸۴۹ پر ان کو اخون خیل پٹھان اور درانی لکھا گیا ہے۔ ان کے جدِ امجد کا نام طوغان درین (طوغی، تھا جن کی اولاد طوغی اور درانی سے یاد کی جاتی ہے۔ اور شجرہ یہودا بن یعقوب علیہ السلام سے ملایا گیا ہے۔ اخون چالاک رح کے چار بیٹے تھے۔ صرف دو اخون اشرف اور عبدالرحمٰن کا ذکر آیا ہے ..... اخون اشرف کے شجرۂ نسب میں اخون چالاک رح کا نام اکبر شاہ بتایا گیا ہے۔

حواشی تواریخ حافظ رحمت خانی میں ایک بار پھر اس غلطی کو دہرایا گیا ہے کہ اخون سباک کو پیر سباک کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ روشن خان صاحب نے میرے توجہ دلانے پر اس غلطی کی اصلاح کا وعدہ کیا ہے لیکن تا حال اس کتاب کی

اشاعتِ سوم تک یہ غلطی موجود ہے۔ اسی کتاب میں ایک اور غلطی یہ کی گئی ہے کہ پیر عمر کو پیر سباک لکھا گیا ہے حالانکہ وہ ان کا بھائی تھا۔ یہی غلطیاں قاضی عبدالحلیم اثر افغانی صاحب نے اپنی کتاب "روحانی روابط" میں بھی کی ہیں کسی کتاب میں بھی اخون سباک رح کا سنِ وفات مجھے نہیں مل سکا۔

اخون چالاک رح پیر سباک رح کے پوتے پیر زین الدین رح کے استاد محترم تھے۔

ملّا چالاک رح

اورنگ زیب، عالمگیر کے عہدِ حکومت کے دسویں سال (۱۰۷۷ھ - ۱۰۷۸ھ) یوسفزئی قوم نے بغاوت کردی اس وقت اٹک گاؤں کے قریب ایک فقیر نے عالمگیر بادشاہ کے بھائی شاہ شجاع ہونے کا دعویٰ کیا۔ قوم یوسفزئی تمام اس کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ سردار بھاکو خان اس کا ساتھی تھا۔ یہ ملّا چالاک بھیرہ خوشاب کا رہنے والا تھا۔ (بحوالہ عالمگیر نامہ، تحفۃ المشائخ اور تاریخ مرصع)

فاضل محقق کامل صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ملا چالاک اور اخون چالاک ایک ہی شخصیت ہوں۔ لکھتے ہیں:-

"عالمگیر نامہ کے بیان کے مطابق بھاکو خان کے علاوہ ایک دوسرا شخص ملا چالاک (جو بھیرے خوشاب کا باشندہ بیان کیا جاتا ہے) بھی اس خروج کا باعث تھا اور انہوں نے ایک فضول آدمی کو محمد شاہ کے لقب سے یوسف زئیوں اور مندڑ کا بادشاہ بنایا تھا۔ آیا یہ ملا چالاک اور تذکرۃ الاولیاء کا ذکر کردہ اخوند چالاک ایک ہی ہیں؟ تذکرۃ الاولیاء میں ملا چالاک کو توغہ یا ترین بتایا گیا ہے لیکن یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ قرین قیاس اور اغلب دکھائی

دیتا ہے کہ کاتب کی غلطی کی وجہ سے تری (جو خٹک ہیں) کو ترین بنا دیا گیا ہو بھیرہ اور خوشاب پر خٹکوں نے کئی حملے کئے تھے اور وہاں پر آباد بھی ہو گئے تھے۔ بلکہ آج بھی سرگودھا میں (بھیرہ اور خوشاب جس کا حصہ ہیں) پٹھان آباد ہیں۔ آیا عالمگیر نامہ کا محمد شاہ اور جعلی شاہ شجاع ایک ہی ہیں ؟ یا محمد شاہ اور ملا چالاک کے بارے میں مرزا محمد کاظم کا بیان اس کی اپنی ایجاد تو نہیں ہے ؟ مرزا کاظم شاہ شجاع کے بارے میں عمداً چپ رہا ہے (تاریخ مرصع قصۃ المشائخ میں جو پیر زین الدین ؒ کے پوتے خواجہ محمد معصوم ؒ کے مناقب میں لکھی گئی ہے اس نقلی شاہ شجاع کا ذکر آیا ہے لیکن اس کو ملا چالاک نہیں کہا گیا ہے۔ ساتھ ہی اپنے دادا کے استاد کو اخوند چالاک ؒ بتایا گیا ہے جس سے اس بات کا شائبہ کم ہو جاتا ہے کہ ملا چالاک اور اخوند چالاک ایک ہی شخصیت ہیں۔

پیر سباک ؒ کا سنِ ولادت باسعادت اور بچپن کے حالات

زمانہ تعلّم

مولد و جائے اقامت اور ابتدائی زمانۂ زندگی کے بارے میں ہماری معلومات اب تک نہ ہونے کے برابر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ دسویں صدی ہجری کے آخیر میں علاقہ خوست میں جہاں ان کے والد مقیم تھے، پیدا ہوئے ہونگے۔ عقاب خٹک نے اپنی تالیف پیر سباک ؒ میں لکھا ہے کہ "پیر سباک ؒ لکھے پڑھے نہ تھے" اور حوالہ اخوند درویزہ ؒ کے تذکرہ کا دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ مجمع البرکات کی ایک عبارت ہے کہ پیر سباک ؒ نے شش سال (چھ سال) تک ہندوستان میں تعلیم ظاہر و باطن حاصل کی۔ اور بہت سارے ظاہری کمالات کے مالک ہوتے۔ تذکرہ میں کہیں بھی پیر سباک ؒ کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ان کے دو بھائیوں پیر عمر اور پیر چالاک، ان کے والد شیخ ابا بکر اور اجداد شاہ اسمٰعیل اور میر علی کا ذکر موجود ہے۔ "تذکرہ" نے پیر چالاک کو جنی اور مفتری اور بے علم لکھا ہے (ان الزامات کے بارے میں ہم اپنے خیالات کا اظہار بعد میں کریں گے)۔

یہ بات تعجب خیز ہے کہ اخوند درویزہ ؒ نے پیر سباک ؒ کا ذکر کیوں نہیں کیا حالانکہ وہ (پیر سباک ؒ) 'تذکرہ' کے لکھے جانے کے وقت بقیدِ حیات تھے اور اخوند درویزہ ؒ کے قریب ہی رہتے تھے لیکن اخوند صاحب صرف ان بزرگوں کے بارے میں لکھتے ہیں جن کو انہوں نے دیکھا تک نہیں۔ صرف سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لیا۔ اخوند صاحب ؒ نے نہ صرف پیر سباک ؒ کا ذکر نہیں کیا بلکہ شیخ بہادر خان

بابا۔ کاکا صاحبؒ ۔ حاجی بہادر کوہاٹی اور اخوند پنجوؒ جیسے مشہور بزرگوں کا ذکر بھی تذکرہ میں موجود نہیں۔ حالانکہ یہ سب ان کے ہمعصر تھے۔

بعض محققین جن میں قاضی عبدالحلیم اثرؔ اور ڈاکٹر محمد حنیف شامل ہیں کا خیال ہے کہ تذکرہ میں عبدالوہاب مانکراوئیؒ کے نام سے حسن بزرگ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد اخوند پنجو بابا ہیں۔ لیکن تحفتہ الاولیاء کا درج ذیل بیان اس دعوے کی تردید کرتا ہے (صفحات ۳۹ - ۳۸)

کہتے ہیں کہ حضرت اخوند درویزہؒ جب اپنے پیر علی ترمذیؒ (جنہوں نے ۹۹۱ھ میں وفات پائی) کی زیارت کرنے کے بعد بنیر سے براستہ نستہ پشاور آرہے تھے۔ راستے میں اکبرپورہ حضرت اخوند پنجوؒ کے دیکھنے کی غرض سے تشریف لائے۔ لیکن وہ مراقبے اور استغراق کی حالت میں تھے۔ نہ چاہا کہ ان کے کام میں مخل ہوں۔ انتظار نہ کیا اور روانہ ہوئے۔ جب اخوند پنجوؒ کو معلوم ہوا تو اخوند صاحب کو دیکھنے کیلئے گاؤں سے باہر تشریف لائے۔ وہ کافی دور چلے گئے تھے۔ ان کی پیٹھ نظر آرہی تھی۔ بس اسی پر اکتفا کیا اور اپنی جگہ واپس ہوئے۔ مجھے تعجب ہے کہ اخوند درویزہؒ نے تذکرہ میں جو ۱۰۲۱ھ میں لکھی گئی کس لئے اخون عبدالوہاب صاحب اکبرپورہ کا ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ خیال کیا جائے۔ کہ وہ چشتی تھے۔ اور اخوند درویزہ متشرع ہونے کی وجہ سے کہ ان میں سے اکثر اہل وجد اور سماع ہوتے ہیں۔ پرہیز کرتے تھے۔ لیکن باباصاحب اکبرپورہ خود کمال درجے کے متشرع اور عالم تھے۔ اور انہوں نے تمام عمر دیگر حضرات چشتیہ کی طرح سماع ہرگز نہ کیا۔ اپنے جوش کو ضبط کیا۔ مستغرق رہتے تھے۔ نیز اخوند درویزہؒ کے پیر چشتی تھے اور اخون صاحب نے اس طریقے میں ان

سے بیعت کی تھی۔ البتہ اخوند پنجوؒ کا طریقہ صابری تھا۔ اور اخوند درویزہ کا نظامی واللہ اعلم ۔ (تحفتہ الاولیاء مصنفہ میر احمد شاہ رضوانی)

یہ بات ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پیر سباکؒ علاقہ خوست سے براستہ کابل یہاں آئے اور ان کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ بہادر خان بابا نے ان کے والد شاہ ابوبکرؒ سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ ایک بیٹا روانہ فرمایا جاوے تاکہ اور لوگ بھی ان کے فیض سے فائدہ اٹھا سکیں۔ شاہ ابابکرؒ نے ان کی یہ درخواست مان لی تھی ۔ اور اس طرح پیر سباکؒ علاقہ خٹک پشاور تشریف لائے۔ پہلے پہل موضع ولٹی میں ورود مسعود فرمایا اور بعد میں دریائے کابل کے اس پار موضع شہر صفا کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشی۔

حضرت شیخ سید ناصرالدین محمود المعروف پیر سباکؒ قدس سرہٗ ۔ آپ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار سے مجاز طریقت اور سجادہ نشین تھے۔ آپ کے نانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد حضرت سید عمر شیر رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت سید عبداللہ الباہر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ اور سلسلہ طریقت میں سہروردیہ سے منسلک تھے اور آپ کی ننھیال کے دیگر افراد بھی سلسلہ سہروردیہ سے منسلک تھے۔ آپ نے سنہ ۹۷۶ھ مطابق ۱۶۰۸ء میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک شمالی وزیرستان میں ہے۔

(احوال العارفین صفحہ نمبر ۵۰۷)

موضع ولٹی

علاقہ خٹک میں واقع ہے۔ نوشہرہ سے زیارت کاکا صاحبؒ جانے والی سڑک کے عین وسط میں بجانب شرق ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ علاقہ سرسبز اور باغات سے پُر ہے۔ یہاں کچھ کھنڈرات بھی پائے

جاتے ہیں جن میں مغلیہ دور کا " رنگ محل " قابل دید ہے ۔ اس گاؤں میں وہ باغ اب بھی موجود ہے جہاں سپیدار درخت کے تنے کے ساتھ حضرت پیر سباکؒ ٹیک لگا کر ذکر و اذکار میں مشغول رہتے تھے ۔

اس گاؤں کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مصنف " تاریخ پشاور " یوں قلم پرواز ہے :۔ " عرصہ آٹھ پشت کا گزرا ہے کہ سید میاں آزاد گل صاحب جن کا سلسلۂ نسب تیسری پشت میں حضرت شیخ رحمکار صاحب المشہور کاکا صاحبؒ سے ملتا ہے اور پیر سباکؒ صاحب بزرگان جو اپنے زمانے کے بڑے عابد و زاہد اور ولی کامل مشہور تھے ۔ معہ چند فقرائے مستر شدین یہاں آئے ۔ چونکہ سطحِ زمین اس جگہ کی بباعثِ روانی چشمہ ہائے کی قدرت کاملہ صانع نے سبز و خوارم اور تراکم درختاں سایہ دار نے اور بھی زیادہ مطبوع و آسائش گاہ بنا رکھا تھا ۔ مسافرانہ طور پر جھونپڑی بنا کر بفراغت دل شاملِ عبادت معبود ہوئے ۔ سردار خوشحال خان خٹک نے جو اس زمانہ میں علاقہ خٹک کا حاکم تھا اپنی ایک لڑکی کی شادی میاں آزاد گل صاحب اور دوسری کی پیر سباکؒ صاحب کے ساتھ کر کے رقبہ دیہہ ہذا کا بوجہ و، بیچ ہر دو دختران کو دے دیا ۔ تب ہر دو مورثان مرقومہ الصدر کچی کوٹھی بنا کر یہاں ہی اقامت پذیر ہوئے رفتہ رفتہ عالم گل و حیات گل و نجم الدین و قمر الدین و عرب الدین جو میاں آزاد گل صاحب کے یکجدی تربور بھائی اولاد حضرت ایک صاحب والد ماجد شیخ رحمکار سے تھے موضع کلی کنڈ و سرو خیل سے آ کر اور اصل مورثان سے محصل املاک ہو کر آباد ہوتے چلے گئے ۔ بعد آبادی نام آبادی دیہہ کا بشہرتِ مرتبہ ولایت ہر دو مورثان ان کے ولئی مشہور ہوا ۔ تب سے گاؤں بلا تزلزل

آباد اور قوم سید کا دفتر سمجھا جاتا ہے ۔ تین کنڈیاں بہ تمیز اولاد مورثان حسب ذیل :

کنڈی(۱) سیداں مقبوضہ اولاد پیر سباک

کنڈی(۲) اولاد ابک صاحب ۔ کنڈی(۳) اولاد آزاد گل صاحب مشہور ہیں ۔"

" تاریخ پشاور " کے مندرجہ بالا بیان میں درج ذیل باتیں محل نظر ہیں :۔

(۱) حضرت آزاد گل میاں ملقب بہ میاں ضیاء الدین صاحب کاکا صاحبؒ کے بیٹے تھے نہ کہ پوتے ۔ ۱۰۸۳ھ میں وفات پائی ۔

(۲) پیر سباکؒ اب تک کی تاریخی شہادت کے مطابق ۱۰۲۵ھ سے پہلے فوت ہو چکے تھے ۔ خوشحال خان نے ۱۰۴۰ھ میں شادی کی تھی اس لئے پیر سباکؒ سے ان کی بیٹی کا نکاح ناممکن بات ہے ۔

(۳) پیر سباکیوں کی روایت کے مطابق موضع ولئی پر کاکا خیلوں نے آج سے چار پانچ پشت پہلے قبضۂ مخالفانہ کر لیا تھا جبکہ وہ خاندانی دشمنی کی وجہ سے زیارت کاکا صاحبؒ سے اٹھ کر ولئی میں آباد ہو گئے تھے ۔

نامور مورخ جناب بہادر شاہ ظفر کاکاخیل نے راقم الحروف کے نام اپنے خط میں ان اعتراضات پر بھی بحث کی ہے جو موضع ولئی کے بارے میں " تاریخ پشاور " کے مندرجات پر کئے جا سکتے ہیں ۔ لکھتے ہیں :۔

" تاریخ پشاور کا جو اقتباس آپ نے در بارہ ولئی لکھا ہے یہ ایک قابلِ قبول شہادت ہے اور اس میں واقعہ کی اصلیت تو موجود ہے یعنی گوپال داس کے کے سامنے موضع ولئی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تحقیق تھی نہ کہ جناب آزاد گلؒ یا پیر سباکؒ کے بارے میں ۔ ظاہر ہے یہ دونوں صاحبان ولی تو تھے ہی ۔ اس لئے ان کے

قیام کے باعث اس موضع کا نام دلئی ہوگیا۔

یہ بات بھی درست ہے کہ خان خوشحال خان کا داماد پیر زین الدینؒ تھا نہ کہ جناب پیر سباکؒ۔ اسی طرح حضرت آزاد گل صاحبؒ کاکا صاحبؒ کے بیٹے تھے نہ کہ پوتے۔ لیکن یہ ایسی خامی نہیں ہے کہ جس سے تاریخ پشاور کی شہادت مشکوک ہو جائے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ تاریخ پشاور اصل زیر بحث واقعہ کے کم از کم پانچ یا چھ پشت گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہے اور گوپال داس کے ذرائع معلومات تو عوام الناس ہی تھے۔ اب گوپال داس کے زمانے میں اگلے زمانے کے لوگ ختم ہو چکے تھے۔ لیکن روایت کے طور پر واقعہ کی یادداشت پشت بہ پشت محفوظ چلی آرہی تھی۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ پیر زین الدینؒ کی شہرت بھی پیر سباکؒ کے باعث تھی یعنی میرا مطلب ہے کہ جناب پیر سباکؒ صاحب اتنی شہرت کے مالک تھے کہ کئی پشتیں گزرنے کے باوجود بھی لوگوں کے ذہن میں ان کا نام موجود تھا لیکن پیر زین الدینؒ کی یہ حیثیت نہ تھی۔ تاریخ پشاور کے زمانے میں پیر زین الدینؒ کا نام لوگوں کے ذہن میں موجود نہ تھا، بخلاف جناب پیر سباکؒ کے اسی لئے انہوں نے پیر زین الدینؒ کی جگہ پیر سباکؒ کا نام لیا۔ تاریخ پشاور میں خوشحال خان کی بیٹی اور پیر سباکؒ کی شادی کا جو بیان ہے عوام میں آج تک یہی بات مشہور ہے۔ کل ہی میں نے ایک معمر اور تاریخ دان شخص سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے بھی کہا کہ خوشحال کی ایک لڑکی حضرت گل صاحبؒ کی اہلیہ تھی جبکہ دوسری جناب پیر سباکؒ کی۔ پھر اس میں گوپال داس کا کیا قصور ہے اور چونکہ گوپال داس کے سامنے اور کوئی تحریری شہادت موجود نہ تھی اس نے عوام کی زبانی شہادت پر اعتماد کرلیا اور پانچ چھ پشت بعد والی نسل سے صرف یہی توقع ہوسکتی

ہے اور اسی پر جناب آزاد گل صاحبؒ کا معاملہ بھی قیاس کرسکتے ہیں۔ ویسے دوسری کی جگہ تیسری پشت لکھنا محرر کی غلطی بھی ہوسکتی ہے۔" مزید ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔ "تاریخ پشاور نے موضع دلئی اور کاکاخیلوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ خوشحال خان کی بیٹی آزاد گل بابا سے بیاہی گئی تھی اور اس نے اپنی بیٹی کے جہیز میں موضع دلئی دیا ہوگا۔ یہ بھی درست ہے کہ بعد کے زمانے میں کاکاخیلوں کے کچھ گھرانے دشمنی کے باعث موضع دلئی میں آباد ہوئے لیکن موضع دلئی میں ایسے کاکاخیلوں کی بھی جائیداد ہے جو زیارت میں آباد ہیں اور ان کی دشمنی نہ تھی۔

پاپا میاں صاحب برہان الدین اور شمس الدین کے خاندان میں ہیں...... اور دشمنی ان کے خاندان کی تھی۔ ویسے بھی اگر غور کیا جائے تو پاپا میاں صاحب سے چار پانچ پشت پہلے تو آزاد گل بابا ہی ہوسکتے ہیں اس لئے قبضہ مخالفانہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں حضرت رحمکار کاکا صاحبؒ کی نویں پشت میں ہوں تو آج سے ایک سو بیس سال پہلے تو یہی پانچ پشتیں گزر چکی ہوں گی۔

تاریخ پشاور اور ظفر صاحب کے بیانات کے بعد میں اپنی معروضات پیش کرتا ہوں۔

(۱) اپنی خاندانی تاریخ اور روایات پر نظر رکھتے ہوئے میں صرف اتنا کہوں گا کہ اب تک ہمارے خاندان میں ایک غیر سید خاتون سے شادی کو معیوب سمجھا جاتا تھا بلکہ فوت ہو جانے کے بعد اس غیر سیدہ بی بی کو الگ قبرستان میں دفنایا جاتا تھا جیسے کہ اوچ شریف میں آج تک ہوتا ہے۔ ایسے ہی غیر سیدہ کی اولاد ان افراد سے

عزتے میں کم تر سمجھی جاتی ہے جو بیٹے سے ہوں۔ اس لئے میں نے آج تک اپنے خاندان کے کسی بزرگ سے یہ روایت نہیں سنی اور نہ ہی کسی شجرے میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ پیر زین الدین، خوشحال خان خٹک کے داماد تھے جس کی وجہ یہی ہے جو بیان کی گئی۔ ویسے جہاں تک وشئی میں پیر سباکیوں کی جائیداد کا تعلق ہے تو اس میں سے کچھ آج بھی موجود ہے۔ موضع وشئی پر پیر سباکی، پیر زین الدینؒ کے زمانے سے ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے ہی قابض تھے۔ وشئی میں پیر سباکؒ کا ایک باغ تھا جو اب نعیم شاہ پیر سباکی کے قبضے میں ہے۔

پیر سباکیوں کی روایت کے مطابق کاکاخیلوں نے پاپا میاں صاحب کے زمانے ہی میں موضع وشئی پر قبضہ مخالفانہ کر لیا تھا جو آج سے چار پانچ پشت ہی پہلے گزرے ہیں۔ آج تو نہ صرف یہ کہ پاپا میاں صاحب کی اولاد کے علاوہ دیگر کاکاخیلوں کا موضع وشئی میں حصہ ہے بلکہ ان کے علاوہ ایک بابا کی اولاد بھی وہاں پر قابض ہے، جبکہ پیر سباکیوں کا حصہ وہاں برائے نام ہی رہ گیا ہے۔ دیگر زمینوں پر اور لوگوں نے دھوکے سے، زبردستی یا خرید کر قبضہ کر لیا ہے۔

جہاں تک تقویمی حساب کا تعلق ہے تو خوشحال خان کی بیٹی کا پیر زین الدینؒ سے ہی نکاح ہو سکتا ہے اور یہ ۱۰۷۴ھ اور ۱۰۷۶ھ کے درمیانی عرصے کا واقعہ ہے جب خوشحال خان خٹک دہلی میں اور بعد میں رنتھمبور میں مغلوں کی قید میں تھے جیسے ان کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بیٹیاں اسی زمانے میں بیاہی گئیں۔ ادھر ہم پیر زین الدینؒ کے تاریخی زمانے کا تعین قطعیت کے ساتھ نہیں کر سکتے لیکن پیر صاحب کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے اخوند چالاکؒ اور بعد میں یونس گیلانیؒ کے شاگرد

رہے۔ اخوند چالاکؒ ۱۰۷۵ھ (بعض روایات میں ۱۰۶۷ھ) اور یونس افلاکؒ ۱۰۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ پیر زین الدینؒ نے یونس افلاکؒ کے پاس اپنے علم ظاہری کے آخری اسباق کو اختتام پذیر کیا۔ اسلئے ۱۰۷۴ھ تا ۱۰۷۶ھ ان کی شادی کے لئے موزوں مدت تھی۔ شجروں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ پیر زین الدینؒ نے اپنی زندگی میں پانچ شادیاں کی تھیں۔ گمان یہ ہے کہ یا تو محمد علی شاہ اور شاہ نجم الدین کی ماں خوشحال خان کی بیٹی تھیں یا محمد سعید المعروف مسعود شاہ اور سعد الدین کی والدہ محترمہ۔ واللہ اعلم۔

شہر صفا

پیر سباک گاؤں کا پرانا نام ہے۔ دلہ زاک قبیلے کی ملکیت تھا اس قبیلے کو یوسف زئیوں نے مغل بادشاہوں کی امداد سے نکال باہر کر دیا۔ یہ ۴۵-۱۵۳۰ء (۵۲-۹۳۷ھ) کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد یہ علاقہ ویران اور بنجر پڑا تھا۔ "مثلِ حقیتِ پیر سباک" میں لکھا ہے کہ یہ علاقہ پیر صاحبؒ کو شہنشاہ اکبر نے بلا عطائے سند دیا تھا۔ لیکن "قصۃ المشائخ" اور "مناقب زین الدین" میں شہنشاہ جہانگیر کا نام لکھا ہوا ہے۔ مثل حقیت کے مقابلے میں قصۃ المشائخ کا بیان اس کے قدیم تر ہونے کے سبب زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ تاریخی لحاظ سے اکبر بادشاہ کا دورِ حکومت ۹۶۴ھ تا ۱۰۱۴ھ (بمطابق ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) زمانے پر محیط ہے۔ اب تاریخ ہند کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر نے کابل ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) میں فتح کیا اور سرحدی قبائل اور پیر روشان کی سرکوبی کے لئے ۹۹۳ھ ہی میں اس علاقے میں وارد ہوا اور ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۳ء) تک مغل فوجیں یہاں پر برسرِ پیکار رہیں۔ ملک اکو کو بھی ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) میں جاگیر ملی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ملک اکوؒ پیر سباکؒ کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے اور ان کی دعا سے

ان کی پریشان حالی اور سیاہ بختی جاتی رہی۔ ان روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیر سباکؒ ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) سے پہلے ہی اس علاقہ میں وارد ہو چکے تھے لیکن ہو سکتا ہے کہ جاگیر ان کو بعد میں ملی ہو۔

پیر سباکؒ اور شہنشاہ جہانگیر کا مکالمہ آپ پہلے ہی سن چکے ہیں۔ جہانگیر[10] نے ان کو جو جاگیر دی تھی اس کی حدود جو "مناقب زین الدین" کے ایک حاشئے میں دیئے گئے ہیں وہ یوں ہیں:۔ "بابار کے گاؤں سے لے کر لنگر کوٹ گاؤں تک اور مصری بانڈے کے پہاڑ سے لے کر کلپانی تک"۔ لیکن یہاں پر جہانگیر بادشاہ کی بجائے اورنگ زیب کا ذکر ہے جو غلط ہے۔ لکھا ہے۔ "بادشاہ اورنگ زیب نے ان کے (زین الدینؒ) کے دادا حضرت پیر سباکؒ قدس اللہ کو وجہ معاش اور بطور انعام دیا تھا۔ نیز اور بھی کئی گاؤں دیئے تھے جیسے پیر بابا کا گاؤں (یہاں موضع پیراں یا بیت الغریب مراد ہے)

بعد کے زمانے میں فرخ سیر (۱۱۲۷ھ) کی دی ہوئی سند میں اس جاگیر کی حدود جو فرمانروایانِ سلف کی طرف سے پیر سباکؒ کی اولاد کو دی گئی تھی درج ذیل ہیں:

" غرباً نالہ کالا پانی (کلپانی) شرقاً آبِ باریک (نرئی اوبہ) اور زڑہ میانہ کے حدود جو سرابدال کی آبادی تک پہنچتے ہیں۔ شمالاً بانڈہ تورو جو عالم گنج کے گدر (گھاٹ) تک پہنچتا ہے اور جنوباً دریائے کابل"۔

پیر سباکؒ نے شہر صفا کے مغربی حصے میں صرف ایک مسجد بنائی تھی جو آج بھی "باباجی جمات" کے نام سے مشہور ہے۔ باقی موضع ویران تھا۔ ایک قبالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیر سباکؒ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اور جانشین پیر فریدالدینؒ

نے پہلی بار اس گاؤں کو آباد کرنے کے لئے درخواست دی اور نئی آبادی "پیر سباک" کے نام سے مشہور ہو گئی۔

باباجی کی مسجد میں ایک ستون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے آپ مکہ معظمہ سے واپسی پر ساتھ لائے تھے۔ اسی مسجد میں ایک بڑا پتھر بھی پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن آپ عبادت کر رہے تھے کہ جنات نے آپ کی توجہ ہٹانے کے لئے آپ پر اس پتھر کا وار کیا۔ اسی پتھر پر بیٹھ کر آپ درس دیا کرتے تھے۔

کوہ خلوت

موضع پیر سباکؒ کے مشرق کی طرف ایک پہاڑی کا نام ہے پیر سباکؒ اس پہاڑی پر خلوت میں رہا کرتے تھے۔ اسی پہاڑی کے مشرقی ڈھلوان میں "رحیمی غار" ہے جس میں آپ بمعہ اپنے ایک مرید "رحیم داد" کے عبادت کیا کرتے تھے۔ پیر صاحبؒ کی برکت سے اسی غار میں پانی نکلتا تھا جو وضو اور پینے کے کام آتا تھا۔ پینے میں یہ پانی بیحد میٹھا شیریں اور صاف وشفاف تھا اور دن رات جاری رہتا تھا۔

خلفاء و مسترشدین

پیر سباکؒ بے شمار خلفاء مسترشدین کے ساتھ اس علاقے میں تشریف لائے۔ ان کے خلفاء میں شیخ عبدالرحیم المعروف شیخ میاں جی صاحب مشہور و معروف ہیں۔ مریدانِ باصفا میں ملک اکو۔ کاکا صاحبؒ۔ رحیم داد اور سردھی میزہ خیل کے اسماء گرامی کتب تواریخ میں ملتے ہیں۔ ہم انشاءاللہ ان سب بزرگ ہستیوں کے حالات زندگی اور پیر سباکؒ کے ساتھ ان کے تعلق پر بحث کریں گے۔

رحیم داد

پیر سباک ؒ کے خادم خاص تھے۔ ہر وقت ان کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ کوہ خلوت میں واقع غار رحیمی انہی کے نام سے مشہور ہے۔ نیک، قانع اور طبع سلیم کے مالک تھے۔ موضع بیت النخریب کے جنوب مغرب کی طرف اس مقام پر جہاں پانی کا ہیڈ ہے اور جہاں سے نوشہرہ چھاؤنی کے لئے نہر نکلتی ہے۔ ایک قبہ ہے۔ لوگ زیارت اور دعا کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ شیخ رحیم داد ؒ کی نشست گاہ تھی (راوی نعیم شاہ پیر سباکی)

خادمش بود آں رحیم داد سلیم ــــ بود نیک و قانع و طبع سلیم
درمیاں کوہ غار است اے رفیق ــــ بر رحیمی غار مشہور اے شفیق
خادم و مخدوم در یکجا بہم ــــ در ریاضت خدامی بود غم
کوہ شد مشہور خلوت بعد ازاں ــــ قریہ شد آباد بے یاد خزاں

ملک اکو

مشہور افغان شاعر، صاحب سیف و قلم خوشحال خان خٹک کا پردادا تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ۱۵۸۶ء میں پشاور سے اٹک جانے والی شاہراہ کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے حوالے کی گئی تاکہ اسے یوسف زئی اور دیگر قبیلوں کے حملوں سے محفوظ رکھ سکے۔ ساتھ ہی اسے اس سڑک پر چونگی وصول کرنے کا اختیار بھی دیا گیا۔ ملک اکو کو جو جاگیر دی گئی تھی اس کی حدیں اس مقام سے جہاں اب اٹک کا پل ہے، سے چند میل کے فاصلے سے شروع ہو کر موجودہ نوشہرہ چھاؤنی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں ملک اکو نے اپنے نام سے دریا کے دائیں کنارے پر ایک ڈھلوان میدان میں اکوڑہ نام کی بستی کی بنیاد رکھی۔ بعد میں وہ بولاق خٹکوں کے ساتھ لڑتا ہوا

پیر سباک گاؤں میں مارا گیا۔

ان کا حال کتاب "مناقب زین الدین" میں یوں مرقوم ہے:۔

"کہتے ہیں اکوڑہ ایک مصیبت زدہ اور ناچار افغان تھا۔ ہمیشہ پیر سباک قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپ ؒ اس پر بڑے مہربان تھے۔ آپ ؒ کی خدمت کی برکت سے چند گائیوں کا مالک بنا اور وجہ معاش حاصل کی۔ ایک دن ایک گائے آپ کی نذر کی۔ آپ نے قبول فرمائی اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔ ساتھ ہی فرمایا جاؤ اور سڑک کے کنارے اپنا مسکن بنا کر رہو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تمہارے شامل حال ہوگا۔ اکوڑہ نے آنحضرت کے کہنے پر عمل کیا۔ کچھ ہی عرصے میں گاؤں آباد ہوا اور اکوڑہ کے نام پر مشہور ہوا۔ جو بڑھتے بڑھتے شہر بن گیا اور آج جبکہ ۱۱۷۶ھ ہے تمام خٹک پٹھانوں کی سرداری اکوڑہ کی اولاد کے پاس ہے جو بحال اور برقرار ہے ان کی حکومت تین دن اور تین رات کی مسافت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ دو لاکھ آدمیوں پر ان کا حکم چلتا ہے۔ ان کی جاگیر کابل صوبے کے آدھے کے برابر ہے۔"

یہ واقعہ قصۃ المشائخ سے لیا گیا ہے۔

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ ملک اکو کو اکثر تاریخی کتب میں ملک اکوڑہ لکھا گیا ہے جیسے کہ "حواشی تواریخ حافظ رحمت خانی"۔ سر اولف کیرو کی "دی پٹھان" اور "تذکرہ شیخ رحمکار" وغیرہ۔ ملک اکو اس وقت چند آدمیوں کے ہمراہ اٹک کے جنوب مغرب کے ایک پہاڑ میں قیام کر رہا تھا (جو موضع دلئی کے قریب ہے) اس کی بیچارگی اور پریشانی تو اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ قبیلے کے افراد نے اسے موضع ٹیری سے نکال دیا تھا اور وہ تو وہ، اس کے قبیلے خٹک کا ذکر بھی اس سے

پہلے سننے میں نہیں آتا۔

پیر سباکؒ کے پوتے زین الدینؒ کے بارے میں مؤلف تاریخ مرصع لکھتے ہیں:

"خصوصاً دا دَ پیر ځامن دَ موږ خانه واده پیران دی" صفحہ ۲۶۶

(خصوصاً اس پیر کے بیٹے ہمارے خاندان کے پیر ہیں) اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ملک اکو کا خاندان پہلے ہی سے پیر سباکؒ کے خاندانی مرید تھے۔ جہاں تک کاکا صاحبؒ کے بزرگوں کے ساتھ ان کے سلسلۂ ارادت کا تعلق ہے تو یہ خوشحال خان خٹک کے باپ شہباز خان کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ ویسے بھی یہ کوئی ناممکن یا بری بات نہیں کہ کئی آستانہ دار خاندانوں سے ان کا سلسلۂ ارادت ہو۔ اس سلسلے میں محترم عقاب خٹک کے اعتراضات بے معنی ہیں۔

شیخ عبدالرحیم المعروف میاںجی صاحبؒ

مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں۔ موضع شوکی ضلع کوہاٹ میں ان کا مزار پرانوار واقع ہے۔ لوگ دور دور سے ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ ان کی اولاد "میاںجی خیل" کہلاتی ہے۔ مشہور آستانہ ہے۔ علاقہ خٹک اور مروت میں ان کے بے شمار مرید ہیں۔ ان کی زیادہ تر آبادی موضعات شکر درہ، شوکی، شنواگدی خیل، ڈم کلہ (ضلع کوہاٹ) اور چھپری (ضلع میانوالی) میں ہے۔ پیر صاحب معصوم شاہ ایڈوکیٹ اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ل

"مناقب پیر زین الدینؒ" میں کتاب "قصۃ المشائخ" کے حوالے سے ان کے جو خوارق، عادات، مناقب اور حالات لکھے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

"شیخ عبدالرحیمؒ صاحب کرامات ظاہری و باطنی تھے۔ حضرت سید محمود المعروف پیر سباک کے خلفاء میں سے ایک تھے۔ وہ حضرت پیر سباکؒ کی خدمت بطریق احسن سرانجام دیتے تھے۔ پہلے پہل پانی لانے کے کام پر مامور تھے۔ رفتہ رفتہ پیر سباکؒ کی نظر عنایت بڑھتی گئی۔ لنگر چلانے کا کام اور اس طرح کے اور کام ان کے حوالے ہوئے اور پستی سے فلک الافلاک کی طرف ترقی کی۔ پیر سباکؒ نے اسے ارشاد و بیعت دینے کی اجازت دی تو وہ حضرت وہاں سے رخصت ہو کر دو پہاڑیوں کے درمیان وادی میں علاقہ خٹک کے ایک گاؤں "شوکی" میں قیام پذیر ہوئے۔ چند دنوں کے بعد دو تین گڈریوں نے انہیں وہاں دیکھا۔ جب قریب گئے تو دیکھا کہ ایک خوش شکل، شریف اور نیک انسان ہیں۔ حضرتؒ سے ان کا پتہ پوچھا۔ تمام ماجرا اور سرگزشت سن کر ان چرواہوں کی حضرت سے عقیدت بڑھ گئی۔ چرواہے جب دو تین گھر سے غائب رہے تو ان کے عزیز و اقارب کو ان کی فکر لاحق ہو گئی۔ ان کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ ایک روشن ضمیر بزرگ کے ساتھ بیٹھے ہیں اور یاد خدا اور رسولؐ برحق میں مشغول ہیں۔ نور حق کے دیکھنے میں محو ہیں۔ عزیز و اقارب نے یہ واقعہ دیکھا اور چرواہوں کو گھر جانے پر مجبور کرنے لگے لیکن انہوں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور بہت روئے۔ رشتہ داروں نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور چلے گئے۔

ل پیر معصوم شاہ مع اپنے ایک فرزند ڈاکٹر مکرم شاہ ۱۹۸۳ء میں کار کے ایک حادثہ میں جان بحق ہوئے۔

کچھ عرصہ کے بعد ان کے نیک اثرات تمام علاقہ خٹک میں پھیل گئے۔ علاقہ ساغری، شکردرہ، بھنگی خیل سے لے کر سینی خٹک کے علاقے خرم تک ان کی شہرت پھیل گئی۔ لاچی اور ٹیری سے لوگ ان کی زیارت کے لئے آنے لگے۔ دعا مانگتے اور اپنے ساتھ لے جانے کی دعوت دیتے مگر وہ انکار کر دیتے کہ اس جگہ سے بہتر جگہ کوئی نہیں۔ میں اسی جگہ جینا اور مرنا چاہتا ہوں۔ اس جگہ کے مالک نے ان کی خواہش پر یہ جگہ ان کی ملکیت میں دے دی کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ اس قطعۂ زمین کے بخشے جانے کے بغیر میری عبادت فضول اور نامقبول ہے۔ بعد میں انہوں نے وہاں مکانات، لنگرخانہ، مسجد اور خلوت خانہ بنایا۔ وہ دراصل گرگری کے نزدیک مانجی خیل نامی گاؤں کے رہنے والے تھے جو زمانۂ قدیم سے ایک نیک اور صاحبِ حال ننگش کی اولاد ہیں جن کا نام 'مانجی' تھا۔ کثرتِ استعمال سے غلط طور پر مانجی سے 'میانجی' مشہور ہوگیا۔

شیخ میانجی صاحبؒ کے بارے میں اب تک میرے علم میں جو معلومات آئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت عبدالرحیم صاحب موسوم بہ میاں جی صاحب حضرت پیر سباکؒ کے بیٹے تھے۔ یہ میانجی خیلوں کا اپنا دعویٰ ہے۔ "مثلِ حقیت" موضع شوئیکی میں بھی لکھا ہے کہ "عبدالرحیم صاحب موضع پیر سباکؒ سے تشریف لائے۔ وہ کچھ عرصہ حاجی بہادر صاحب کوہاٹی کے پاس بھی مقیم رہے۔" ان کا شجرہ جو میرے ہاتھ میں ہے وہ بھی معمولی رد و بدل کے ساتھ اولادِ پیر سباک کے دیگر شجروں سے ملتا جلتا

ہے۔ شہر ملکی کے پیر جناں شاہ صاحب میاں جی خیل جو عرصہ دو سال ہوا ہو گئے ہیں، کا شجرہ یوں ہے:۔

پیر جنان شاہ بن پیر میرک شاہ بن غلام حسن شاہ بن شاہ حسین شاہ بن شاہ بن پیر شراف شاہ بن شرافت پناہ بن سید عبدالرحیم شاہ بن پیر محمود شاہ بن پیر بن سید ابوبکر شاہ بن سید اسمٰعیل بن سید میر علی بن سید امیر کلاں بن سید امیر قلندر بن میر ولی بن سید میر سلیمان بن سید امیر قطب الدین بن میر سلطان بن عبدالرحمٰن بن بن امیر احمد بن شمس الدین بن سید امیر حمیدالدین بن مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ۔

اس شجرے میں محمود شاہؒ کے عرفی نام پیر سباق کو ان کا والد لکھا گیا ہے۔

(۲) "قصۃ المشائخ" کے مصنف اس بات کی شد و مد سے تردید کرتے ہیں کہ عبدالرحیمؒ حضرت پیر سباکؒ کے بیٹے ہیں اور اسے تبادلۂ نسل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میانجی صاحب حضرت پیر سباکؒ کے خدام میں سے تھے جن کے ذمے لنگر کا کام تھا۔ بعد میں ارشاد و بیعت کی اجازت ملی اور موضع شوئیکی میں آباد ہوئے دراصل گرگری کے قریب "مانجی" نامی گاؤں کے ایک نیک ننگش بزرگ کی اولاد میں سے ہیں۔

(۳) قاضی عبدالحلیم اثر افغانی نے بھی سادات شوئیکی کے متعلق راقم الحروف کے ایک خط کے جواب میں "تواریخ مجمع الانساب" کا حوالہ دیا۔ لکھتے ہیں:۔

"پیر خاکیانٹری۔ پیر گیانٹری۔ پیر جرانٹری۔ پیر گمانٹری این چہار برادر بودند۔ یک در تل بلند خیل۔ دوئم در ملک غزبیۃ۔ سوئم در قریہ شوئیکی۔ چہارم در کوہاٹ ماندند۔"

اس بیان میں پیر جرانسڑی کے نام سے بحث کا ایک نیا موضوع سامنے آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ جرانسڑی درحقیقت حسنی سادات کا خاندان ہے۔ اگر ان چار بھائیوں میں سے ایک جرانسڑی ہے اور وہ حسنی سید ہے تو باقی تین بھی حسنی سید ثابت ہوجاتے ہیں۔ جرانی سادات حضرت میر قاسم جرانی ابن ابوطاہر ابن محمد صابر ابن موسیٰ ثانی ابن عبداللہ الصالح ابن موسیٰ الجون ابن عبداللہ المحض ابن حسن مثنیٰ ابن امام حسن ابن امیرالمومنین علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ ایک بڑا خاندان ہے۔ علاقہ جات خوست، تیراہ، اورکزئی، جنوبی وزیرستان، فورٹ سنڈیمن اور صوبہ سرحد کے اضلاع میں پھیلا ہوا ہے۔

(۴) مفتی صاحب سیاح الدین کاکاخیل نے میاں عبدالرحیم صاحب مشہور بہ میاں جی گل صاحب کو شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ کے خلفاء و مسترشدین میں سے لکھا ہے۔ چنانچہ اپنی تالیف "تذکرہ شیخ رحمکار" میں لکھتے ہیں:۔

"میاں عبدالرحیم صاحب مشہور بہ میانجی گل صاحب بخاری سادات میں سے تھے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے میاں جی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے حاجی بہادر صاحب کوہاٹی سے تعلق تھا۔ پھر بعد میں حضرت کاکا صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ تھوڑے عرصہ میں راہ سلوک کی منزلیں طے کیں اور خلافت حاصل کی۔ آپ کا مزار شوکی میں ہے جو کوہاٹ میں لاچی سے شکردرہ جانے والی سڑک پر لاچی سے ۹ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ضلع کوہاٹ کے اکثر علاقوں کے لوگ خصوصاً ساغری اور ڈھنگی خیل آپ کے نہایت معتقد اور مرید ہیں۔ مزار پر اکثر لوگ جاتے ہیں۔ آپ کی اولاد شوکی میں اور اس کے علاوہ شکردرہ اور بعض دوسرے دیہات

میں موجود ہے اور پیر صاحبان کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت عبدالرحیم صاحب المعروف میاں جی صاحب کے بارے میں اب تک میری تحقیق یہ ہے کہ وہ افغان مشائخ کے اس خاندان جلیلہ سے تعلق رکھتے تھے جس میں حاجی بہادر صاحب کوہاٹیؒ بھی پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے تین جلیل القدر مشائخ یعنی پیر سباکؒ، حاجی بہادر صاحبؒ اور کاکا صاحبؒ کے ساتھ ان کا تعلق رہا۔ پیر سباکؒ نے بھی سادات بلند خیل کو اپنا عزیز کہا تھا اور ان ہی کے پاس دفن ہونے کی وصیت کی تھی اور "تواریخ مجمع الانساب" کے لکھے کے مطابق سادات شوکی اور بلند خیل آپس میں ہم جد ہیں۔ اسی طرح حضور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے جد امجد سید ابی ذکر موسیٰ ثانی کا مزار پُرانوار سمرقند میں ہے۔ ان کے فرزند بخارا میں رہے۔ اسی طرح لاتعداد حسنی سادات کے خاندان ہیں جن کے آباء و اجداد بخارا میں رہ چکے ہیں بخاری کہلاتے ہیں۔ اس لحاظ سے مفتی صاحب سیاح الدین نے میانجی صاحب کو جو بخاری سید لکھا ہے وہ صحیح ہے۔

آج کل میانجی خیل قوم کے افراد بھی اپنا شجرہ نسب زبانی طور پر حاجی بہادر صاحب کوہاٹی کے اجداد سے ملاتے ہیں۔ اگرچہ جو تحریری شجرہ میرے ہاتھ لگا ہے اس میں سلسلۂ نسب حضرت پیر سباکؒ سے ہی ملایا گیا ہے۔

کتاب "قصتہ المشائخ" میں گرگری کے قریب مانجی نامی جس گاؤں کا ذکر آیا ہے وہاں سادات کا ایک خاندان آباد ہے جو حاجی سید قمرالدینؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ خاندان کسی زمانے میں بلوچستان کے شہر پشین میں قیام پذیر

رہ چکا ہے اور آج بھی اس قبیلے کے بعض افراد وہاں مقیم ہیں۔

شیخ رحمکار حضرت کاکا صاحب رحمت اللہ علیہ

صوبہ سرحد کے ان اولیاءِ نامدار میں سے ہیں جن کی شہرت آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں ہے۔ ان کی اولاد کاکا خیل کہلاتی ہے۔

کاکا صاحبؒ یکم رمضان المبارک کی رات کو ۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ جناب عقاب خٹک نے سنِ پیدائش ۹۸۱ھ لکھا ہے۔ محترم اثر افغانی صاحب نے اپنی تالیف "روحانی روابط" میں حضرت کاکا صاحب پر جو مقالہ لکھا ہے اس کے آغاز میں کاکا صاحب کی تاریخ پیدائش ۹۸۳ھ دی ہے جبکہ بعد میں یہی تاریخ ۹۸۱ھ بھی لکھی ہے ۱۰۲۷ھ میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ارشاد و بیعت کی گدی پر متمکن ہوئے۔ تاریخ وفات ۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ بروز جمعتہ المبارک ہے۔

"قصتہ المشائخ" میں لکھا ہے:۔ "حضرت پیر سباک رحمتہ اللہ علیہ کے بہت سے مرید تھے جیسے کہ شیخ رحمکار رحمتہ اللہ علیہ جن کی قبر مبارک علاقہ خٹک میں ہے۔ کامل اور مکمل پیر تھے۔ یہ اصحاب پیر سباکؒ میں سے ایک ہیں"۔

اب ہم اس بحث کی طرف آتے ہیں کہ کیا کاکا صاحبؒ حضرت پیر سباکؒ کے مرید تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کاکا صاحبؒ نے اپنی حیات مبارک میں کسی کو بھی اپنے

پیر مرشد کے متعلق نہیں بتایا۔ یہاں تک کہ اپنے فرزندوں اور مریدانِ خاص کو بھی نہیں بتایا۔ چونکہ حضرت کاکا صاحبؒ حضرت پیر سباکؒ سے ملنے کئی دفعہ موضع ولئی اور موضع پیر سباکؒ گئے اس لئے ان دو بزرگوں کی وفات کے بعد پیر سباکؒ کی اولاد اور ان کے خاص مرید مسلسل یہ دعویٰ کرتے رہے کہ کاکا صاحبؒ پیر سباکؒ کے مرید تھے جبکہ کاکاخیل اس بات کو اپنی اہانت تصور کرتے تھے اسلئے ان کی اولاد اور مرید ہر بار اس کی شدومد سے تردید کرتے رہے۔ اب ہم تاریخ اور مناقب کی کتابوں کے حوالے سے یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ ان دو بزرگوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کس قسم کی تھی۔

مراقبات رحمکار

خواجہ اخوند اسمٰعیلؒ کی تصنیف ہے جن کی زیارت موضع چارباغ سابق ریاست سوات میں ہے۔ عالم اور مؤلف تھے۔ "مراقبات رحمکار" کے نام سے فارسی نثر میں اپنے پیر کے مناقب لکھے ہیں جن میں دو نظمیں اخوند صاحب کے بیٹے اسمٰعیل کی بھی ہیں۔ اخوند اسمٰعیل فارسی زبان کے بہترین شاعر اور نثر نگار تھے۔ کتاب کا سنِ تصنیف ۱۰۷۹ھ سے ۱۰۸۶ھ کے درمیان ہے۔ یہ کاکا صاحبؒ کے مناقب کی سب سے پرانی اور مستند کتاب ہے۔ اس میں حضرت پیر سباکؒ سے کاکا صاحبؒ کے دو دفعہ ملنے کا ذکر ہے۔ ایک

ے مراقبات رحمکار کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ شہباز خان خٹکؒ (متوفی ۱۰۵۰ء) نے مصنف کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لحاظ سے تو کتاب کا سنِ تصنیف ۱۰۵۰ء سے پہلے متعین ہو جاتا ہے (چراغ)

ملاقات کا ذکر کاکا صاحبؒ کے مرید خاص شیخ حسن بگ کے حوالے سے تفصیلاً درج ہے شیخ حسن بگ کاکا صاحبؒ کی وفات ۱۰۶۳ھ کے بعد بھی زندہ تھے۔

(۱) پہلی ملاقات موضع دہلی میں ہوئی تھی۔ پیر سباکؒ سپیدار کے ایک درخت کے تنے کے ساتھ تکیہ فرما تھے۔ بہتر یہ ہے کہ اخوند اسمٰعیل کے اپنے قلم سے اس ملاقات کا حال درج کیا جائے:-

"نقل است کہ شیخ عبدالرحیم کہ یکے از مریدانِ آں حضرت است بہ دعوت التماس نمود۔ آنحضرت بہ طریق سنن کہ اجابتِ دعوت سنت است، اجابت فرمود چوں از آں طرف عنانِ عزیمت بہ صوب دولت خانہ معطوف داشتہ برلشتہ کی الحال محلِ مدفنِ آں گنجِ اسرارِ الٰہی است رسید، عنان فرس را باز کشید۔ و خود زمانے توقف ورزید۔ با شیخ حسن بگ اتمان خیل، کہ یکے از مریدانِ آنحضرت بود، بہ زبانِ صدق ترجمان تقریر ایں مقاولہ فرمود کہ ایں خیر خواہِ خلائق بہ شرفِ اقدام بوسئ پیر و دستگیر خود حضرت پیر سباکؒ در دہلی کہ باغ آں پیر بود، مشرف پیر بزرگوار بہ تنۂ درخت سپیدار تکیہ زدہ نشستہ بود۔ آں درخت بہ زبانِ حال چیزے بہ پیر عرض مے نمود عَالِمِ سِرِّ وَالْخَفِیَّات دانائے راز است کہ پیر عرضِ تنۂ درخت، کہ بہ زبانِ بے زبانی اظہار مے کرد، بہ گوشِ ہوش در مے آورد یا نہ۔ زمینِ ایں پشتۂ بلند کہ در ایں پستی واقع است۔ مرا ہم اظہار مے کند بہ گوشِ ہوش۔

شیخ حسن بیگ گفت کہ من در محلِ سوال استادم و بہ عرض رسانیدم کہ از آں گفتہ و عرضِ پیر و ازیں فرمودۂ دستگیر مرا، ہیچ واضح و مبرہن نہ گشت۔ آں حضرت مرا بہ ہر دو جواب خورم و کامیاب ساخت کہ تنۂ آں درخت سپیدار، مجرد انہ

علائق بار، بہ پیرِ بزرگوار بہ زبانِ برگ بے گفتار ایں اسرار اظہار مے نمود کہ چوں پیر بہ تنۂ ایں درخت تکیہ در حالِ حیات نمود۔ حق تقدس و تعالیٰ ز کمالِ کرم در حینِ وفات از تنۂ ایں درخت صندوقِ تربت اش ارزانی فرمود و از تنِ مبارک آں پیر بہ ایں قائم بے نوا بار داد و سود۔

آخر الامر از تنۂ ہماں درختِ سپیدار تابوتِ آں بزرگوار شد۔ و ایں زمین پست پشتہ کہ در ایں ارتفاع پا شمال است بہ ایں مقال مترنم بہ زبانِ حال است کہ بہ مدفن آں حضرت ہمیں پشتۂ پست رفعت فلکِ اعظم خواہد یافت۔"

(ترجمہ) روایت ہے کہ شیخ عبدالرحیم نے جو آں حضرت کے مریدوں میں سے تھے کھانے کی دعوت دی۔ آں حضرت نے سنت کے طریقے کے مطابق کہ دعوت کا قبول کرنا سنت ہے، دعوت قبول کر لی۔ جب وہاں سے واپس گھر تشریف لا رہے تھے تو اس جگہ جہاں آج اس اللہ تعالیٰ کے اسرار کے خزانے کا مدفن ہے (جہاں آپ دفن ہیں) گھوڑے کے لگام کو کھینچ لیا اور کچھ دیر توقف فرمایا۔ اس کے بعد شیخ حسن بیگ اتمان خیل سے جو آنحضرت کے مریدوں میں سے تھے۔ اس زبان سے جو ہمیشہ سچ بولتی تھی یوں فرمایا۔ "یہ خیر خواہِ خلائق (یعنی کاکا صاحبؒ) دہلی میں جو کہ اس پیر کا باغ تھا، اپنے پیر و دستگیر پیر سباکؒ کی کی قدمبوسی کے شرف سے مشرف تھا۔ پیر بزرگوار ایک سپیدار کے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ درخت حال کی زبان سے کوئی بات پیر صاحب سے عرض کر رہا تھا۔ رازوں اور خفیہ باتوں کا جاننے والا ہی اس راز سے آگاہ ہے کہ وہ پیر اس درخت کے تنے کے راز کو جو وہ بہ زبانِ بے زبانی کہہ رہا تھا ہوش

کے کانوں سے سن رہا تھا یا کہ نہ۔ اس اونچے ٹیلے کی زمین جو کہ اس پستی میں واقع ہے مجھے بھی ہوش کے کانوں سے سن رہی ہے۔

شیخ حسن بیگ نے کہا کہ میں نے پوچھنا چاہا اور عرض کیا کہ اس کہنے اور پیر کے عرض اور دستگیر کے فرمانے سے مجھ پر کچھ واضح نہ ہوا۔ آنحضرت نے مجھے ان دونوں سوالوں کے جواب سے خوش و خرم کردیا۔ فرمایا کہ سپیدار کے درخت کا تنہ جو کہ تعلقات اور بکھیڑوں کے بوجھ سے آزاد ہے، پیرِ بزرگوار کو بنا الفاظ کی زبان سے یہ راز بتلا رہا تھا کہ چونکہ پیر نے بحالتِ زندگی اس درخت کے تنے سے ٹیک لگایا، اللہ جل شانہٗ نے اپنے کمالِ کرم سے وفات کے وقت اس درخت کے تنے سے ان کی تربت کا صندوق بخشا ہے اور اس پیر کے جسد مبارک کے طفیل اس خشک پیڑ (درخت) کو میوہ دار اور سود مند بنایا۔

آخر الامر اسی سپیدار کے درخت کے تنے سے ان کے لئے تابوت بنایا گیا اور اس ٹیلے کی زمین مترنم زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ آنحضرت کے مدفن ہونے کے طفیل اس پستی کی زمین فلکِ اعظم کی بلندی کو پہنچ جائے گی۔"

"مراقباتِ رحمکار" میں دوسری ملاقات دریائے کابل کے اس پار موضع پیر سباک میں ہونی بیان کی گئی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے :-

" نقل است کہ روزے آں حضرت جہتِ ملاقاتِ پیر سباک توجہ فرمودہ عازم گردید۔ چوں بہ دریائے آبِ کابل رسید۔"

(ترجمہ) روایت ہے کہ ایک دن آنحضرتؒ پیر سباکؒ سے ملنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ جب دریائے کابل کے کنارے پہنچے۔

(۲) مناقب شیخ جی صاحب

کاکا صاحبؒ کے فرزند شیخ عبدالحلیم کی تصنیف ہے۔ سنہ ۱۰۹۳ھ میں لکھی گئی۔

شیخ عبدالحلیم جنہیں "فرزندِ دانشمند" سپین بابا اور صاحب ہندوستان بھی کہا جاتا ہے سنہ ۱۰۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۰ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۹۴ھ میں فوت ہوئے "مقاماتِ قطبیہ اور مقاماتِ قدسیہ" فارسی زبان میں آپ کی تصنیف ہے جس میں حضرت شیخ رحمکارؒ کے کچھ فضائل و مناقب اور حالات و سوانح بھی ہیں اور آپ کے مقامات و مراتبِ عالیہ کا ذکر بھی ہے۔ اس کے ساتھ تصوف و سلوک کے مسائل بھی شامل ہیں۔ سنہ ۱۳۱۸ھ میں ابو اسد اللہ میاں ہبتہ اللہ مرحوم کاکاخیل نے پہلی دفعہ اس کو طبع کرکے شائع کیا ہے۔ جناب عقاب خٹک اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

" ہبتہ اللہ خان کاکاخیل نے جو کتاب "مقاماتِ قطبیہ اور مقالاتِ قدسیہ" کے نام سے چھاپی ہے۔ اس کا پہلا حصہ صفحہ ۱ تا ۱۷۴ یہ کتاب اور بقایا ہبتہ اللہ خان کی اپنی تصنیف ہے۔ اکثر متاخرین ہبتہ اللہ خان کی تصنیف کو بھی عبدالحلیم کی تحریر سمجھتے ہیں۔"

عبدالحلیم صاحبؒ پیر سباکؒ سے حضرت شیخ رحمکارؒ کے بیعت یا ارادت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" اور بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے شیخ حضرت شیخ المشائخ قدس سرہٗ ایک مرتبہ سباکی پیر کو دیکھنے گیا تھا، بس یہ ارادت کی نشانی ہے اور اس فقیر نے آنحضرت کے کئی مریدوں سے پوچھا ہے۔ انہوں نے منظور نہ کیا اور اس بات کو غلط بتلایا اور آنحضرت پیر سباکی کی مدح کی کوئی

بات اس فقیر اور دوسرے مریدوں کے سامنے ہرگز بیچ میں نہ لاتے تھے
اور اگر کبھی بزرگوں کی مدح کرتے تھے تو آغاز اپنے باپ شیخ بہادر خان
قدس اللہ سرہٗ کی مدح سے کرتے اور بہت کچھ کہہ جاتے اور کاکا صاحبؒ
جب اپنے باپ کا نام لیتے تھے تو ادب کے طریقے پر لیتے تھے اور انہیں
"دلیشتینے" یعنی سچ بولنے والا کہتے تھے اور اگر کبھی پیر سباکؒ
کا نام لیتے تھے تو خٹک قوم کے کہنے کے مطابق لیتے تھے جو خٹک اُدس
کے بعض لوگ اسے سباکی پیر کہتے تھے۔

اور شاہی فقیر (فقیر جمیل بیگ) سے منقول ہے کہ جب میں ابتدائے حال
میں اپنے شیخ کی قدمبوسی سے مشرف ہوا تو کچھ مدت کے بعد پیر سباکؒ
کے خاندان والوں نے کہا کہ آنحضرت پیر سباکؒ کے مریدوں میں سے تھے
اس لئے میں ان کی طرف مائل ہوا۔ اس کے بعد جب میں آنحضرت کی خدمت
میں حاضر ہوا تو اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ میں ایک دن سباکی پیر
کو دیکھنے گیا۔ جب میری نظر اس پر پڑی تو دیکھتے ہی سباکی پیر اٹھا اور وجد
میں آگیا اور رقص کیا اور سماع میں آیا، یا ہوا۔ ان کے رک جانے کے بعد
اس گاؤں کے ایک شخص نے مجھے بلایا اور ضیافت دی اور گائے ذبح کی
آنحضرت نے پیر سباکؒ کی شان میں کہا کہ وہ اچھے لوگ تھے ایک دوسرے
سے حسد نہیں کرتے تھے پس شاہی فقیر نے کہا کہ میں بتحقیق جان گیا کہ
آنحضرت پیر سباکؒ کے مرید نہ تھے۔ جھوٹ تھا۔"

(قلمی نسخہ، مقاماتِ قطبیہ۔ صفحہ ۲۳۰)

"مقاماتِ قطبیہ" کے اصل الفاظ یوں ہیں:-

"وبعض مردم پندارند کہ حضرت شیخ المشائخ شیخنا قدس سرہٗ یک
مرتبہ بدیدن سباکی پیر رفتہ بود۔ پس این علامت ارادت است و این
فقیر از اکثر اصحاب حضرت ایشان تفتیش کردہ منظور نداشت و این قول بہ
غلط و خطا نسبت کردہ اند۔ و حضرت ایشان اصلاً چیزے از مدح پیر سباکی
بہ پیش این فقیر و مریدان درمیان نیاوردے و اگر از مدح بزرگان گفتے
از مدح پدر خود حضرت شیخ بہادر خان قدس سرہٗ آغاز نمودے..... الخ
و چون احیاناً نام پیر سباک یاد میکردندے بہ رسم لفظ اُدس خٹک یاد
میکرد کہ بعض اُدس خٹک اورا "سباکی پیر" خواندے۔ و از شاہی فقیر
منقول است کہ چون در ابتدائے حال بقدم بوسی حضرت شیخ المشائخ
شیخنا قدس سرہٗ مشرف شدم۔ بعد از مدتے خاندان پیر سباک گفتند
کہ حضرت شیخ المشائخ از مریدانِ پیر سباک است پس من طرف ایشان
مائل شدم۔ بعد ازاں چون بحضرت ایشان حاضر شدم بزبان مبارک خود
فرمود۔ یک روز بدیدن سباکی پیر رفتہ بودم۔ چون نظر من بدو افتاد
بمجرد دیدن سباکی پیر برخاست۔ تواجد نمود رقص کرد و در سماع آمد باشد
بعد از قرار او یک شخص دران دہ مرا طلبانید و ضیافت کرد و مادہ گاؤ
ذبح کرد و حضرت ایشان در شان پیر سباک گفت کہ آں خلق نیک بود۔
حسد درمیان نیاورد۔"

پس شاہی فقیر گفت کہ من بتحقیق دانستم کہ حضرت شیخ المشائخ

مرید پیر سباکؒ نیست افترا بود۔"

(قلمی نسخہ، مقامات قطبیہ۔ صفحہ ۲۳۰)

یہی عبدالحلیم آگے چل کر اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ پر لکھتے ہیں:۔

"و نیز یکے مرید از مریدان خاص حضرت ایشان گفت کہ یک مرتبہ حضرت ایشان گفت کہ یک مرتبہ حضرت شیخ المشائخ شیخنا قدس سرہٗ بہ یک جائے رفتہ بود چوں نیز دیک زمین رسید کہ ہنوز جائے قبر و روضہ متبرکۂ ایشان است گفت کہ در موضع ویئ سباکی پیر را ایک باغ بود و در آں باغ درختاں سپیدار بود۔ و بہ یکے از آں درختاں سپیدار سباکی پیر ہمیشہ در آں باغ تکیہ بدوے نشست و آں سپیدار ہر روز او دامے گفت کہ من تابوت جنازۂ تو شوم۔ پس بعد از فوت و رحلت او آں سپیدار تابوت جنازہ او شد بہ ٹل برود آں جا دفن کرد۔ و سباکی پیر آں کلام یا دانست و یا آں عالم بود یا نمے دانست مے بے خبر و مایاں را ہم قبر آواز مے کند و مگوید کہ جائے تو در من است۔ و مایاں نمے دانم و نمے فہمم پس یقین است کہ ایں ز شکستگیٔ نفس تو دگفتہ است۔ و الا آواز آں درخت سپیدار و آواز آں زمین کہ مقبرہؒ حضرت ایشان است۔ بگوش سر او مکشوف بود و حقیقت آں او را معلوم و مفہوم بودے دانست بنا برآں بہ طریق ایماء اظہر نمود۔"

مندرجہ بالا بیان "مراقبات رحمکار" کے بیان کی صدائے بازگشت ہے جب کاکا صاحبؒ پیر سباکؒ سے موضع ویئ میں ملے تھے۔ نیز اس بیان سے یہ بھی ثابت

ہوتا ہے کہ کاکا صاحبؒ حضرت پیر سباکؒ سے تین بار ملے تھے۔ اور عبدالحلیم بابا کے اس بیان سے کہ: "یک مرتبہ بروییت سباکی پیر رفتہ بود" سے یہی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ یہ ان کئی ملاقاتوں میں سے ایک ہے کیونکہ اس کی وضاحت آگے جا کر خود ہی ہو جاتی ہے۔

(۳) "مناقب زین الدین" مصنفہ فضل حسین ولد عبدالصمدانی میں کتاب "قصۃ المشائخ" کے حوالے سے لکھا ہے:۔

"حضرت پیر سباک رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مرید تھے جیسے کہ شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ جن کی قبر مبارک علاقہ خٹک میں ہے اور کامل اور مکمل پیر تھے۔ یہ پیر سباکؒ کے صحابہ میں سے ایک ہیں۔"

لیکن آگے چل کر "مناقب و خوراک و عادات و نامہا، حقیقت حضرت شیخ رحمکار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ" کے عنوان سے لکھتے ہیں:۔

"اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ رحمکار کے پیر طریقت پیر سباک رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس وجہ سے کہ حضرت جیو رحمۃ اللہ علیہ ان کی زیارت کے لئے ان کی صحبت میں جایا کرتے تھے اور آنحضرت کا بہت ادب اور عزت کرتے تھے اور میں نے جتنی بھی اس بات کی جستجو اور تلاش کی ہے دوستوں سے پوچھا ہے کسی نے منظور نہ کیا اور اس بات کو خطا قرار دیتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ شیخ جیو صاحب جو حضرت کا ادب اور لحاظ رکھتے تھے اس وجہ سے تھا کہ شیخ جیو صاحب کے والد شیخ بہادر خان مرید.....

(اس سے آگے کتاب کے صفحات غائب ہیں۔ اغلباً یہ عبارت یوں ہے)

اس وجہ سے تھا کہ شیخ جیو صاحب کے والد شیخ بہادر خان شیخ ابا بکر

(والد پیر سباکؒ) کے مرید تھے۔"

(۴) خواجہ ملنگ جو ایک خوشنوا شاعر اور ادیب تھے نے تقریباً اسی زمانے میں نظم میں "مناقب زین الدین" لکھے ہیں۔ ان کے ایک شعر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ رحمکارؒ نے پیر سباکؒ سے فیض حاصل کیا۔

رحمکار از رتبہ شان بردہ بہر باب شد علم لدنی راز ثمر

(ترجمہ) رحمکار نے ان کے رتبے سے فائدہ اٹھایا۔ وہ علم ظاہری کے بغیر علم لدنی کا دروازہ ہیں۔

انہی مناقب میں آگے چل کر وہ ایک مجلس پاک کا ذکر کرتے ہیں جن میں دیگر اعیانِ دین کے ساتھ شیخ رحمکارؒ بھی پیر سباکؒ کی پاک والا صحبت میں تشریف فرما تھے۔

ایں چنیں نقل است از دانائے راز کہ نشستہ بود روزے دیدہ باز

جملگی اعیانِ دین بنشستہ بود رحمکار از جملہ شان پیوستہ بود

(ترجمہ) دانایانِ راز سے یوں نقل ہے کہ وہ صاحب کشف ایک دن بیٹھا تھا۔ دین کے ستون اور بھی بیٹھے تھے۔ رحمکار ان کے ساتھ شامل تھا۔

(۵) "تذکرہ شیخ رحمکار" مفتی سیاح الدین کاکاخیل، صدر جمعیت اتحاد العلماء اور رکن اسلامی نظریاتی کونسل آف پاکستان کی تصنیف ہے جو پہلی بار ۱۹۵۱ء اور دوبارہ ۱۹۶۴ء میں چھپی۔ اسی کتاب میں "اولیاءِ عصر اور ان سے آپ کی ملاقاتیں" کے عنوان سے پیر سباکؒ سے حضرت کاکا صاحبؒ کی دو ملاقاتوں کا حال یوں درج ہے:۔

"آپ کے عصر سے کچھ زمانہ پہلے کے مشہور بزرگوں میں سے سید سباقؒ صاحب بھی تھے جو پیر سباق کے نام سے مشہور ہیں۔ والد ماجد کی وفات کے بعد جوانی ہی کے زمانہ میں حضرت شیخ رحمکارؒ دو دفعہ سید سباقؒ کی

ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کے پاس بیٹھے۔ گفتگو کی اور واپس ہوئے۔ (مجمع البرکات، صفحہ ۳۹۵)

اس سے پہلے وہ اسی کتاب میں "مجمع البرکات" کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"صاحب مجمع البرکات نے بھی نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اویسی تربیت کے علاوہ آپ نے صرف والد بزرگوار سے بیعت کی ہے اور دوسرے مشائخ کرام سے اگرچہ صحبت کی ہے، ملاقاتیں کی ہیں لیکن بیعت و استفاضہ نہیں کیا۔"

اس سے آگے چل کر وہ کاکا صاحبؒ کے بیٹے عبد الحلیم کے حوالے سے ان (کاکا صاحبؒ) اپنے والد سے سلسلۂ سہروردیہ میں بیعت لکھتے ہیں۔ اگرچہ اصل عبارت میں یہ عبد الحلیم صاحب کا محض گمان ہے کہ کاکا صاحبؒ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ شیخ عبد الحلیم فرماتے ہیں:۔

"و از قول حضرت ایشاں نشنیدہ ام لیکن از آداب و مدح لبیار و رفتن بسوئے مزار پرانوارِ او بخاطر مے رسد، کہ بطریقہ سلسلہ سہروردیہ از جانب پدر خود شیخ بہادرؒ ہم نسبتے دارد۔"

(ترجمہ) میں نے آنحضرت کی زبانی نہیں سنا لیکن چونکہ وہ اپنے والد ماجد کی بےحد مدح و توصیف کرتے اور اکثر ان کے مزار پرانوار پر جایا کرتے تھے اسلئے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد شیخ بہادرؒ سے بھی نسبت رکھتے ہیں۔

(۶) کاکا صاحبؒ

سرفراز خان عقاب خٹک نے ۱۹۶۴ء میں کاکا صاحبؒ کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس میں آپ کے دو استاد

تبلائے گئے ہیں (۱) شیخ ادین (۲) پیر سباک ؒ۔ ساتھ ہی لکھا ہے : مشہور بزرگ گزرا ہے۔ ان کے مستند حالات لکھ رہا ہوں لیکن "پیر سباک ؒ" کے نام سے اسی سال شائع ہونے والی کتاب میں وہ عبد الحلیم بابا اور شاہی فقیر کے اقوال کو قابلِ تسلیم اور "قصتہ المشائخ" کا پیر صاحب کے مریدوں میں سے صرف اکو اور کاکا صاحب ؒ کا ذکر کرنا ناقابلِ فہم سمجھتے ہیں۔

(۷) روحانی تصرف اور روحانی روابط :- قاضی عبد الحلیم اثر افغانی کی مشہور تالیف ہے جس میں مغربی پاکستان اور سابق مشرقی پاکستان کے اولیائے کرام کے حالات اور ان کے سلسلۂ طریقت کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں صفحہ ۵۶۰ پر ملامت کے ذکر میں جناب پیر سباک اور اخون سالاک کا ذکر یوں کیا گیا ہے :-

"حضرت مولانا سالاک او مولانا پیر سباک دوا په دنره وو او په قول د اخوند درویزه (تذکرة الابرار ص۱۳۲) دوئ په قام ختېک وو۔ د مولانا سالاک په نوم یو کلے د قندهار په ارغنداب نومے علاقه کښې (ثالا) او یو کلے د ضلع مردان په علاقه یاسینزائے کښې د لوندخوړ نه مشرق طرف ته (سالاک) نومې موجود دے۔ مزارئے د اباسنده کوهستان په کامل کرام کښې دے۔ په ۱۰۷۵ھ کښې وفات شوید ے۔

د ده ورور اخوند سباک علیه الرحمة د نوښهر ضلع پېښور په علاقه کښې په موضع ولئ کښې اوسیدلو۔ فاضل عالم او کامل عارف وو حضرت شیخ رحمکار صاحب د دوئ د صحبت نه

فیض حاصل کړے وو۔ دوستو د نوښهر د سنده په غاړه په کوم کلی کښې چه اوسیدلو هغه کلے د دوی د نوم په مناسبت سره "پیر سباک" نامه یادیږی۔ مزار مبارک ئے د ضلع مردان علاقه سدهوم په موضع رستم کښې دے د وفات تاریخ ئے راته معلوم شوے نه دے۔"

مندرجہ بالا بیان میں فاضل محقق نے "سباک" اور "چالاک (سالاک)" نام سے معروف دو بزرگوں کے حالات کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ اخوند چالاک اور اخوند سباک دو بھائی تھے جن کا حال پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یہ جدم بزرگوارم پیر سباک اور پیر چالاک سے بالکل الگ بزرگ تھے۔ اثر صاحب نے "تذکرہ" کا حوالہ دیا ہے اور ان دو بھائیوں کو قوم کا خٹک لکھا ہے لیکن یہاں بھی انہوں نے تذکرہ کی عبارت کا غلط مطلب سمجھا ہے۔ "تذکرہ" کی اصل عبارت یوں ہے :- "تا روزے پیر عمر و پیر چالاک ہر دو برادر از پیر افغان خطک درین حدود رسیده بودند۔" (ترجمہ) "ایک دن پیر عمر اور پیر چالاک دونوں بھائی جو خٹک افغانوں کے پیر ہیں اس طرف آپہنچے تھے۔" اب اس عبارت سے یہ تو کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ پیر عمر اور پیر چالاک نسلاً بھی خٹک ہیں کیونکہ یہ بات تو ضروری نہیں کہ خٹکوں کا پیر بھی لازماً خٹک ہی ہوگا۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ اثر صاحب نے پیر عمر کو پیر سباک خیال کر لیا ہے حالانکہ وہ اس کا بھائی تھا۔ اس خیال کی تائید اثر صاحب کی اسی کتاب کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ محمد یونس گیلانی ؒ کے حالات میں لکھتے ہیں :-

"دو یمه بی بی ئے د حضرت مولانا شیخ المشائخ
محمد عمر المعروف په پیر سباک علیه الرحمة لور بی دوه چه
ھی "بیگم" نوم دوه۔ د ضلع مردان تحصیل صوابئی د موضع برمول
پیرانو ئے د دغه بی بی اولاد دے۔"

اس غلطی کا ارتکاب رشتین صاحب نے اپنی تصنیف "د پښتو ادب تاریخ" (صفحہ ۵۶) اور جناب روشن خان نے تواریخ حافظ رحمت خانی کے حواشی کے لکھنے کے وقت کیا۔ ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ ۴۴۸ ۔

"مختلف ادوار میں لکھی جانے والی مختلف مناقب کی تواریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد میری اپنی رائے یہ ہے کہ حضرت کاکا صاحبؒ نے سلوک کے ابتدائی زمانے میں اپنے وقت کے مشہور مشائخ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے پیر سباکؒ کے علاوہ اخوند پنجو بابا، حاجی بہادر صاحب کوہاٹی اور حضرت سید آدم بنوری رح کے ساتھ صحبت کی اور بزرگوں کی اس قسم کی صحبتیں فیوض و برکات سے خالی نہیں ہوتیں امیر حمزہ خان شنواری، چشتی، نظامی اپنی تصنیف "تذکرہ ستاریہ" میں چار قسم کے رہبروں کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے ایک کو پیر صحبت، دوسرے کو پیر طریقت، تیسرے کو پیر ارادت اور چوتھے کو پیر خلافت کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔ "عین ممکن ہے کہ یہ چاروں صفات صرف ایک شخصیت میں موجود ہوں اور اسی کے ذریعے کوئی سالک پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے ورنہ انفرادی طور پر چہار قسم کے مرشدوں سے درجہ بدرجہ تکمیل کا کام ہوا کرتا ہے۔ (صفحہ ۳۵۹)

ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ پیر سباکؒ، کاکا صاحبؒ کے پیر صحبت تھے کیونکہ

جب کاکا صاحبؒ آغاز جوانی میں تلاش مرشد میں نکلے تو ان کی نظر سب سے پہلے شاہ ابابکرؒ کے بیٹے پر پڑی جو ان کے والد ماجد کے پیر طریقت تھے۔ اس کے علاوہ شاہ ابابکرؒ تمام قوم خٹک کے پیر رہ چکے تھے اور کاکا صاحبؒ بھی قوم خٹک میں قیام پذیر تھے اور بہت سے مؤرخین کے نزدیک خود بھی کرلانی خٹک تھے۔ اسکے علاوہ پیر سباکؒ اس وقت ان کے سب سے نزدیک بھی رہتے تھے اس لئے ان کی (کاکا صاحبؒ) نظر پہلے پہل حضرت پیر سباکؒ پر پڑی، وہ ان سے ملے کئی بار ملاقاتیں کیں اور انکی صحبت پاک سے فیضیاب ہوئے۔ اس سلسلے میں اولاد اور مریدان پیر سباکؒ اور کاکا صاحبؒ دونوں کی طرف سے بات کو چھپا چھپا کر بیان کرنا مناسب نہیں۔ وہ لوگ ہر قسم کے تعصب اور حسد سے پاک تھے جیسے کہ شیخ عبدالحلیمؒ شیخ جمیل بیگ کے حوالے سے لکھتے ہیں "آن خلق نیک بود۔ حسد درمیان نیاورد"۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ کاکا صاحبؒ نے طریقت، ارادت اور خلافت کسی سے بھی حاصل نہیں کی۔ وہ اویسی بزرگ تھے۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ کاکا صاحبؒ حاجی بہادر صاحب کوہاٹی کے ماذون تھے لیکن طریقہ یا خلافت ان سے بھی حاصل نہیں کی۔

طریقہ عالیہ سہروردیہ

پیر سباک رحمۃ اللہ علیہ طریقہ عالیہ سہروردیہ میں اپنے والد شیخ ابابکر قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت تھے۔ سلسلہ سہروردیہ اس خاندان میں سید جلال الدین حسین جلال اعظم شیر شاہ میر سرخ بخاریؒ (ولادت ۵۹۵ھ، سن وفات ۶۹۰ھ، مزار اقدس اوچ شریف) کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ سید جلال سرخ بخاری خود شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق ملتانیؒ کے مرید تھے جو ملتان میں دفن ہیں۔ کتاب "قصۃ المشائخ" میں درج ہے

کہ شاہ اسمٰعیل جو پیر سباکؒ کے دادا تھے۔ شیخ بہاء الحق ملتانیؒ کے گھرانے کے ایک بزرگ کے پاس ملتان میں رہتے تھے اور بعد میں انہوں نے انہیں بیعت اور ارشاد دینے کی اجازت دی۔

قلندریہ

حضرت پیر سباکؒ کی اولاد میں بعد میں کئی بزرگ گزرے ہیں جو دیگر سلسلہ ہائے نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ میں بیعت تھے ان کا ذکر بعد میں کیا جائیگا۔ آج کل اس خاندان کے زیادہ تر بزرگ چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ میں بیعت ہیں، سہروردیہ سلسلہ عالیہ میں منسلک بزرگ کا آوازہ آج کل میں نے نہیں سنا۔ ممکن ہے جو اولاد برما اور آسام میں آباد ہے اس میں کوئی سہروردیہ بزرگ ہوں یا گزرے ہوں۔ واللہ اعلم۔

قطبِ دوراں غوثِ آواں نور پاک — گمراہاں را رہنما پیر سباکؒ
ہست فرزند ابابکر جسمش جمیل — قطبِ وقت است او ز اولادِ خلیلؑ
قصہ کوتاہ کن پیر سباکؒ — سر بسر نور است بر بالائے خاک
نورِ رویش پرتوی انداختہ — بر ہمہ قوم ختک بیتاختہ

(ترجمہ) زمانے کا قطب، وقت کا غوث، پاک نور ہے، گمراہوں کا رہنما پیر سباکؒ ہے۔ یہ ابوبکرؓ کا فرزند، جسم ان کا خوبصورت ہے۔ وقت کا قطب ہے، خلیلؑ کی اولاد سے ہے۔ قصہ مختصر، پیر سباکؒ روئے زمین پر تمام نور ہے۔ ان کے چہرے کے نور نے تمام قوم ختک پر روشنی ڈالی ہے۔

کرامات و خوارق

خرقِ عادات آنشانرا طریق — اسخیاء و زاہدانند و شفیق

(خرقِ عادات (کرامات) ان کا طریقہ ہے، شفقت والے سخی اور زاہد ہیں)

اولیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے خوارقِ عادات اور کرامات کے ظہور کا طریقہ اہلسنت کے ہاں ایک مسلم عقیدہ ہے لیکن سب سے بڑی کرامت شریعتِ مقدسہ پر استقامت تھی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت پیر سباکؒ کے اخلاقِ عالیہ، عاداتِ مبارکہ، اعمالِ حسنہ اور کردارِ بلند کے متعلق لکھا جاتا لیکن قدیم کتب میں زیادہ تر زور کرامات پر دیا جاتا تھا۔ اس وقت زمانے کا مزاج ہی اس رنگ کا تھا۔ شریعت پر استقامت تو اکثر حضرات کو حاصل ہوتی۔ چند ایک مخصوص افراد سلوک کی بلند ترین منزلیں طے کرنے کی کوشش میں لگے رہتے۔ آج کل اس مادیت کے دور میں ان باتوں کو کون جانے ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں — بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

مختلف کتبِ مناقب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ پیر سباک رحمتہ اللہ علیہ سے کئی کرامات کا ظہور ہوا۔ ان کی حیاتِ مبارکہ میں اور ان کے اس جہانِ فانی سے کوچ کر جانے کے بعد بھی، آج بھی ان کی زیارت پر جانا فائدہ سے خالی نہیں۔

(۱) "تاریخ مرصع" میں پیر سباکؒ کے کرامات کے ذکر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کے بارے میں بتلایا کہ میرا باپ اٹک کے قلعے میں قید تھا پیر سباکؒ اس کے پاس پہنچے۔ اس شخص کے ہاتھ پیر سے زنجیریں گر گئیں۔ حاکم وقت کو خبر پہنچی

سخت حیران ہوا، اس نے سروپا دے کر رخصت کیا۔ یہ واقعہ خوشحال خان کی بیاض سے نقل کیا گیا ہے، اگرچہ تفصیلات کا حامل ہے لیکن یہاں پر مختصراً بیان کیا گیا۔

(۲) خان علیین مکان خوشحال خان خٹک کی بیاض سے نقل ہے جن پر انہوں نے خود دستخط کئے ہیں کہ ماہ محرم کی اٹھارہ تاریخ کو ایک عجیب بات مشاہدے میں آئی۔ وہ ایک بیل کا ٹخنہ (بنئنگورے) تھا جو طالب الدین ولد رحیم الدین (ولد پیر سباکؒ) اپنے ساتھ لایا۔ اس کے بارے میں روایت یوں تھی کہ ایک دفعہ پیر سباک علیہ الرحمتہ اپنے دادا شاہ اسمٰعیلؒ کی زیارت کے لئے منوست جا رہے تھے۔ ایک بیل بھی اس نیت سے ان کے ساتھ تھا کہ اسے قبر مبارک پر ذبح کریں۔ راستے کے پہاڑوں میں اس بیل کا پاؤں پتھروں سے زخمی ہو گیا اور چلنے سے رہ گیا۔ پیر صاحبؒ کا ایک مرید ان کے پاس آیا اور یہ اطلاع دی کہ بیل ایک پیر سے لنگڑا ہو گیا۔ چلنے سے معذور ہو گیا۔ پیر صاحبؒ حالتِ جذب میں تھے۔ فرمایا۔ "خدائے پاک اس پر میخ گاڑ دے گا۔" اسی وقت اس نازک ٹخنہ پر لوہے کی ایک میخ کندہ ہوئی۔ میخ گڑنے کی آواز سب حاضرین نے بھی سنی۔ میخ یوں پیوست تھی جیسے کہ نعل کی میخ ہو صاف نظر آرہی تھی۔ دیکھنے سے آدمی حیران ہو جاتا کہ میخ بمقدار خود گڑی ہوئی ہے میخ پر کرامت کے سوا کسی چیز کا گمان نہیں ہوتا تھا۔

(۳) روایت ہے کہ سردھی نام کا خٹک قوم میرہ خیل ان کا مرید تھا۔ اکثر پیر صاحبؒ کے پہلو میں بیٹھتا تھا۔ ایک دن ایک آدمی کسی دور دراز علاقے سے پیر سباکؒ کی زیارت کے لئے آیا۔ غلطی سے اس نے پیر صاحبؒ کی بجائے سردھی مرید کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ کسی نے اس کو بتایا کہ یہ پیر نہیں ہے، سردھی ہے۔ پیر صاحبؒ

اس وقت حالتِ جذب میں تھے اور مریدوں نے ان کو بتایا کہ "پیر صاحب آپ کی اور سردھی کی ریش مبارک کا رنگ ایک ہے اسلئے اجنبی کو غلط فہمی ہوئی اور اس نے سردھی کی داڑھی کو ہاتھ لگایا۔" پیر صاحب جوش میں آئے اور زبان مبارک سے نکلا کہ "سردھی، تمہاری داڑھی ادھڑ جائے کہ اجنبی اس سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔" اسی آن سردھی کی داڑھی یوں ادھڑی کہ کوئی بال نہ رہا۔

(۴) خواجہ ملنگؒ نے "مناقب زین الدین" کے حصہ نظم میں ایک بزرگ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دن پیر سباکؒ تشریف فرما تھے۔ ان کے ارد گرد اعیان و عابدان دین کا جمگھٹا تھا۔ اس محفل میں حضرت شیخ رحمکارؒ بھی شامل تھے کہ ناگہاں دروازے سے ایک نوجوان داخل ہوا اور ادب کے ساتھ درویشوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ ایک ساعت کے بعد پیر صاحبؒ نے اس کی خیر و عافیت دریافت کی اور مدعائے آمد پوچھا۔ نوجوان نے عرض کیا کہ وہ ہندوستان کے پایۂ تخت سے آیا ہے۔ اس کا بادشاہ اپنے دشمن کے ہاتھوں سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔ بادشاہ نے آپ کے پاس دعا کے لئے بھیجا ہے۔ ساتھ ہی ایک خط ان کے حوالے کیا جس میں بادشاہ نے قوی دشمن کے ہاتھوں اپنی تباہ حالی کا ذکر کیا تھا۔ لکھا تھا۔ آپ میری حالت پر شفقت اور مہربانی فرمائیں اور وقت سحر میرے لئے دعا کریں کہ دشمن مجھ سے اپنا ملک لینے کے درپے ہے۔ اس پرزۂ کاغذ میں دشمن کی تمام کیفیات درج تھیں۔

پیر سباکؒ نے کاغذ کو دیکھنے کے بعد فرمایا "بادشاہ کا غم خداوند پاک نے میرے سپرد کر دیا ہے۔ تو جا۔ اپنے وطن واپس چلا جا۔ تیرا بادشاہ فتح مند ہو گیا"

قاصد نے عرض کی۔ بادشاہ نے آپ کے لئے زرِ نقد بھیجا ہے اور اس کے ساتھ وہ رقم آپ کے سامنے پیش کی تاکہ آپ اسے قبول کر لیں۔ قاصد نے بادشاہ کا ہدیہ زر قبول کرنے کے لئے بے حد منت وزاری کی۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ قاصد نے مال یونہی چھوڑ دیا۔ اسی وقت شیخ رحمکارؒ نے اشارتاً اس بات کا اظہار کیا کہ اگر اجازت ہو تو یہ ہدیہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں۔ آپ نے تمام مال و زر ان کے حوالے کیا اور اپنے پاس کچھ بھی نہ چھوڑا۔ ادھر قاصد نے ہندوستان کی راہ لی۔ جب دربار میں پہنچا تو بادشاہ خوش ہوا۔ بتایا کہ فلاں تاریخ کو میری مشکل حل ہو گئی۔ دشمن سرنگوں ہوا اور کھویا ہوا مال ہاتھ لگا۔ خدائی امداد سے دشمن مغلوب ہوا۔ بادشاہ نے قاصد سے پیر صاحبؒ کا حال پوچھا۔ قاصد نے عرض کیا کہ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا وہ دشمن کی مغلوبیت کے دن تھے۔ جب دن اور مہینے کا حساب لگایا گیا تو پتہ چلا کہ یہ اس دن کا واقعہ ہے جب پیر صاحبؒ نے قاصد سے فرمایا کہ "جا تیرا بادشاہ غالب ہوا اور اس کا دشمن مغلوب"۔

شاعرِ خوش زبان ملنگؒ نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے:۔

این چنین نقل است از دانائی راز — کہ نشستہ بود روزے دیدہ باز
جیلگی اعیانِ دین بنشستہ بود — رحمکار از جملہ شان پیوستہ بود
ناگہان وارد شد از دریک جوان — باادب بنشست پیشِ عابداں
بعد یک ساعت ازو پرسید پیر — خیر باد توچہ داری در ضمیر
گفت از ہند آمدم از پیشِ تخت — شاہ مارا شد تو دشمن روز سخت
شاہ بفرستادہ ام بہرِ دعا — ہم دریں کاغذ نوشتہ مدعا

داد کاغذ را بدست شاہ بخت — حال شاہنشاہ دروی بود سخت
کز خصمِ صعب شد حالم تباہ — ائی ترا اشفاق و لطف ائی دین پناہ
در سحرگاہان دعا از بہرِ من — کن از من مے گیرد ملک اہرمن
حال بود دروئی نوشتہ سربسر — جملہ کیفیات خصم آں پُر شرر
دید کاغذ را بچشم خویش و گفت — کہ غمِ شاہی خدائے بر من سپرد
اندریں روز آں شہِ نیکو خصال — غالب آمد دشمنش شد در وبال
اوکہ آں شاہ تو دمساز گشت — رو ازیں جا ملکِ خود را بازگشت
عرض کرد آں قاصد نیکو سیر — کز برائیت شاہ بفرستاد زر
ہدیہ آوردہ بنہادش بہ پیش — تا قبولش کرد آں فرخندہ کیش
ہدیۂ زر پیشِ تو آوردہ ام — در سفر بسیار کلفت بردہ ام
کرد التجاحش پذیر این مال و زر — ناقبولش کرد زر آں پُر شرر
چونکہ قاصد مال و زر مہمل گزاشت — رحمکار از پیشِ ایشاں عرض داشت
کرد ظاہر گر اجازت باشدم — ہدیۂ آوردہ را مین مے بردم
حسبِ عرضِ رحمکار خوب کیش — داد مال و زر نماندش پیش خویش
جیلگی زر را بہ او بسپردہ شد — بعد یک زپیشِ بردہ شد
رفت قاصد راہِ ہندوستاں گرفت — چوں بہ ہندوستان رسید آں خرشگفت
کہ فلاں تاریخ مہم گشت خفت — سرنگوں شد دشمن و مالم بدست
در کف آمد حسبِ تائیدِ خدا — دشمنم را راس و تن گشتہ جدا
بعد غور و فکر و تعمیقِ نظر — چوں نگہ کردند بر چشمان سر

شاہ قاصد را شکے آمد پدید — آشکارا خواست حالِ آں سعید
گفت آں روزیکہ من وارد شدم — حالِ مغلوبیِ خصمانِ خودم
گفت شاہنشہ ایں ماتم سرا — روزِ آں روز ست غالب مر ترا
چوں حسابِ روز و ماہ را کہ یاد — شد بموافق قول شاہِ دیں و داد
کاندراں روزیکہ آں شہ گفتہ بود — پیشِ قاصد درِ معنی سفتہ بود
کہ امیر است غالب و مغلوب خصم — شاہ تو غالب شد و معتوب خصم

پیر سباکؒ کی ذاتِ اقدس سے جب بہت سے خوارق و کرامات کا ظہور ہونے لگا تو اس کا غلغلہ چار سو برپا ہو گیا۔ لوگ جوق در جوق اپنی دینی و دنیاوی ضروریات و حاجات کے حصول کے لئے دعا کی خاطر ہونے لگے۔ ان کی کرامت اور تصرف کی برکت کا یہ عالم تھا کہ مٹی کے ڈھیلے اور پتھر ان کی حاجات روائی کی خاطر ان کی طرف چلے آتے تھے اور پانی کا آفتابہ جسم مبارک کے ہر اندام کے وضو کیلئے خود بخود سمت بدلتا رہتا تھا۔ (مجمع البرکات)

بعد از وفات کرامات و فیوضات

(۱) یہ روایت بھی خان علیین کی بیاض سے لی گئی ہے۔ تفصیلاً بیان ہے لیکن یہاں پر اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ خان علیین نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے :-

"جب پیر سباکؒ فوت ہو گئے تو ان کا جنازہ ٹل کے لئے اٹھایا گیا جب جنازہ شیر کرہ پہنچا تو وہاں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ دھکم پیل میں ایک عورت کی نتھ کھو گئی۔ جتنا بھی اسے ڈھونڈتے رہے نہ ملی۔ اس عورت نے اپنے خادم کو اسے ڈھونڈنے کے لئے کہا۔

جب پیر صاحبؒ کا جنازہ کوہاٹ لے گئے تو وہ نوکر جنازے کے پاس کھڑا ہو گیا اور گستاخانہ کہنے لگا۔" اے پیر! اس عورت کی نتھ شیر کیرے میں کھو گئی ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ اسے تلاش کرو۔ اب

چاہے جتنا بھی اسے ڈھونڈا نہیں ملی۔ وہ عورت آس لگائے ہوئے ہوگی"۔ اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ سونے کی ایک نتھ اچانک کسی طرف سے آنکھوں کے سامنے آگری۔ دیکھی تو بعینہ وہی نتھ تھی جو کھو گئی تھی وہ اس عورت کو واپس دیدی گئی"۔

(۲) مشہور ہے کہ پیر باباؒ کے مزار اقدس کے پاس ہی سرمے کی کان تھی۔ یہ سرمہ موجب شفا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس پہاڑی پر موجود درختوں کی شاخیں بھی ہر بیماری کے لئے نفع مند تھیں۔ سرمے کی کان کی اس خاصیت کا جب لوگوں کو علم ہوا تو اردگرد کی اقوام اس کان پر قبضہ کرنے کے لئے آپس میں لڑ پڑیں۔ لڑائی طول پکڑتی گئی اور شر و فساد بڑھتا رہا۔ انہی دنوں شاہ زمان نامی ایک مرد تھے۔ وہ طبعاً مسکین اور دل سوزے پُر رکھتے تھے۔ ہمیشہ اس جھگڑے فساد سے دلگیر رہتے تھے۔ ایک رات جب سو گئے تو پچھلے پہر خواب میں پیر باباؒ کو رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔ شاہ زمان رسولِ مقبولؐ کی قدمبوسی کے لئے آگے بڑھے۔ مصطفےٰ و مجتبیٰؐ نے پریشانی کا سبب دریافت فرمایا۔ شاہ زمان نے سارا واقعہ بیان کیا۔ پیر باباؒ یہ فتنہ وفساد اور شور وغوغا مابینِ خلق سن کر بیحد رنجیدہ ہوئے اور حضورؐ کے دربارِ اقدس میں درخواست کی کہ سرمہ کے لئے ناحق خونریزی ہو رہی ہے۔ آپ خداوند قدوس سے دعا مانگیں کہ وہ اس شور و شر کا خاتمہ فرمائے۔ حضور پر نورؐ نے پیر صاحبؒ کی دلجوئی کی خاطر بارگاہِ قدس میں دعا مانگی:

"اے خدائے متقیان و راستان۔ اس سرمے کے اثر کو نیست و نابود فرما تاکہ یہ باعثِ جنگ وجدال نہ رہے"۔ تھوڑے وقفہ کے بعد امر خداوندی ہوا کہ سرمے

کی تاثیر ختم ہوگئی۔ پیر کو خوشخبری سنائیں کہ آئندہ جھگڑا نہ ہوگا"۔ حضور پاکؐ نے پیر صاحبؒ کو یہ بشارت سنائی۔ پیر صاحبؒ خوش ہوئے اور شاہ زمان کو بھی اس امر حق سے آگاہ فرمایا۔ شاہ زمان فوراً سجدۂ شکر بجالایا۔ جب اٹھا کر دیکھا تو رسولِ پاکؐ اور پیر صاحبؒ دونوں غائب تھے۔ صبح صادق کے وقت جب شاہ زمان خواب سے بیدار ہوئے تو ادائے نماز و ورد و ظائف کے بعد کان کے پاس پہنچے۔ سُرمہ کوٹ کر آنکھوں میں ڈالا تو سرمہ خاک کی طرح لگا اور آنکھیں درد کرنے لگیں۔

وفات، تکفین و تدفین

روایت ہے کہ جب پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے تو انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی شفایابی کے لئے دعا مانگی۔ لیکن اسی رات آپ نے خواب میں سنا کہ اپنے حق میں دعا نہ مانگو کیونکہ آپ کی رحلت کا وقت آن پہنچا ہے۔

"مناقب زین الدین" میں اس پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے۔ "کہتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت سے حیات کی مہلت چاہی تھی۔ جب پیغمبروں نے مہلت چاہی تھی تو اولیاء کیسے مہلت نہیں چاہیں گے۔

سنِ وفات

پیر باباؒ کا صحیح سن وفات معلوم نہیں لیکن ایسے قرائن موجود ہیں کہ آپ ۱۰۲۵ھ سے کچھ عرصہ پہلے ہی فوت ہو چکے تھے چونکہ آپکی زیارت پر ہر سال میلہ ماہ محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کو لگا کرتا ہے اس لئے قیاس غالب یہ ہے کہ آپ محرم کی نویں یا دسویں تاریخ کو فوت ہوئے چونکہ آپ نے اپنی زندگی میں وصیت فرمائی تھی کہ میں یہاں مسافر ہوں اسلئے جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے وصیت کی تھی جس کے مطابق ان کا جسدِ مبارک مصر سے کنعان لے جا کر

دفن کیا گیا۔ اسی طرح مجھے بھی موضع بلند خیل (ٹل ضلع کوہاٹ) میں میرے عزیزوں کے پاس پہاڑی پر دفن کیا جائے۔

چنانچہ غسل، تکفین اور نماز جنازہ کے بعد آپ کی میت کو سپیدار لکڑی کے تابوت میں بند کر کے اونٹ پر لادا گیا۔ اونٹ غیب سے نمودار ہوا ظہر کے وقت جنازہ اٹھایا گیا اور دوسرے دن اسی ظہر کے وقت بلند خیل پہنچ کر دفنایا گیا۔ راستے پر جگہ جگہ لوگوں کی کثیر تعداد نے آپ کی آخری زیارت کی۔

صاحب کتاب "مناقب زین الدین" لکھتے ہیں کہ بلند خیل اور پیر سباک گاؤں کے درمیان پانچ یا چھ دن کا سفر ہے لیکن آپ کی برکت سے ایک ظہر کے وقت سے دوسرے دن ظہر کے وقت تک یہ فاصلہ طے ہو گیا۔

اولیاء کی کرامات برحق ہیں۔ ان کے سامنے زمان و مکان کے حدود سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اس زمانے کے لوگ بھی نیک تھے اور ایسی باتیں ان کے عام روزمرہ مشاہدے میں آتی تھیں۔ صاحب نظر لوگوں نے اس زمانے میں بھی اعتراض نہ کیا اور نہ آج اللہ والوں سے یہ حقیقت مخفی ہے۔ اس کوچے کی راہیں وہ جانتے جس نے اس سلسلے میں محنت و ریاضت کی اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جسے مقام محمود حاصل ہو جائے۔

آپ کا مزار اقدس دریائے کرم کے کنارے ٹل سے بنوں جانے والی سڑک کے جانب غرب ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ اس پہاڑی پر دو گنبد ہیں۔ ایک بڑا جس کو توپ کے گولے سے نقصان پہنچا ہے، وہ بلند خیل قوم کے مورث اعلیٰ کا بیان کیا جاتا ہے۔ دوسرے نسبتاً نئے گنبد کے اندر آپ آرام فرما ہیں۔ آپ کے ساتھ کی قبر آپ کی زوجہ مطہرہ کی بیان کی جاتی ہے۔ ان قبروں کے پاؤں کی جانب ایک چھوٹی سی قبر ہے جو روایت ہے کہ اس

معمار کی ہے جس نے یہ گنبد تعمیر کیا اور پھر وصیت فرمائی کہ اسے بھی اس کے اندر دفن کیا جائے۔ پہاڑی کے نیچے ڈھلوان میں ایک اور مشہور زیارت ہے جسے مندرو بابا کہتے ہیں۔ مجاور اسی قبر پر بیٹھتا ہے۔

آپ کی قبر بڑے پر فضا مقام پر واقع ہے۔ پہاڑوں کے نیچے دریائے کرم بہتا ہے جس پر پل بنایا گیا ہے۔ سامنے ٹل کا قلعہ نظر آتا ہے۔ "مراقبات رحمکار" میں اس مقام کو درہ کوہ سرور کہا گیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:۔ "درہ کوہ سرور کہ آں محل منسوب بہ پیر دستگیر سباک است" یعنی درہ کوہ سرور میں کہ وہ جگہ پیر دستگیر سباکؒ کا مکان کہلاتی ہے۔

آپ کی زیارت پر گنبد آپ کے بیٹے پیر فریدالدینؒ نے تعمیر کیا۔ ملنگ نے ان کے پوتے "پیر زین الدین" کو اس گنبد کا تعمیر کنندہ لکھا ہے لیکن صحیح پیر فریدالدین ہی ہیں۔ روایت ہے کہ اکثر گائے بیل اور دیگر جانور قبر مبارک کے قریب جا کر ان کے اطراف کے پتھر اور مٹی کو پائمال کیا کرتے تھے۔ ایک رات اپنے فرزند ارجمند پیر فریدالدینؒ کو خواب میں آ کر فرمایا کہ مجھے حیوانات زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ اگر وہاں مقبرہ تعمیر کیا جائے تو امید ہے کہ چوپائیوں کے آزار سے بچ جاؤں گا۔ جب آنحضرت کے بیٹے نے یہ خواب دیکھا تو ان کے پاس کل چالیس روپے تھے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے بلند خیل روانہ ہوئے اور وہاں گنبد بنانے میں مشغول ہوئے۔ چار ہزار اور چار صد روپے خرچ ہوئے۔ یہاں تک کہ مقبرہ مکمل ہوا آنحضرت کی برکت سے روپیہ ہر جگہ سے آتا تھا۔

میلہ

آپ کی زیارت پر ہر سال محرم الحرام کی نو اور دس تاریخ کو ایک بڑا میلہ لگتا ہے۔ ہر جمعرات کو معتقدین زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اس

علاقے میں مشہور ہے کہ جس فرد کو بھی اولاد کی خواہش ہو وہ وہاں جاکر دعا مانگے تو رب العزت اس کی مراد پوری کردیتا ہے۔ ٹل میں ایک دینی مدرسہ ہے جس کے طلباء وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ گنبد کے باہر زمین دوز تہہ خانے ہیں جو اگلے وقتوں میں بطور خانقاہ اور چلہ گاہ استعمال ہوتے تھے۔ آج کل وہاں پر قرآن پاک اور ایسے ہی فقہ و شرح کی کتابوں کے پھٹے پرانے نسخے رکھے جاتے ہیں تاکہ ان کی بے حرمتی نہ ہو۔

اولیائے عصر سے تعلقات

اس باب میں ہم پیر سباک رحمۃ اللہ علیہ اور بعد میں ان کی اولاد کے ساتھ ان کے ہمعصر مشائخ عظام اور علمائے کرام کے تعلقات کے بارے میں بحث کریں گے۔

اخوند پنجو بابا رح

ان کا اصلی نام عبدالوہاب تھا۔ ارکان خمسہ اسلام (پنج بنا) کی سختی سے پابندی کرتے کی تعلیم دیتے تھے اسلئے عوام میں "پنجو بابا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد غازی خان ہندوستان میں "سنبھل" کے مقام پر رہتے تھے اور ابراہیم لودھی کے امراء میں شمار ہوتے تھے ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد علاقہ یوسف زئی میں آباد ہوئے۔ ۹۲۵ھ میں بمقام چینہ ڈھیری (صوابی) اخون پنجو بابا کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اخوند پنجو نے تو سلجام گاؤں روہیلکھنڈ میں تعلیم حاصل کی اسلئے ان کو "افغانی تو سلجامی" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد غازی خان کا مزار اقدس قلعہ بالا حصار کے نیچے ہے۔ اخوند پنجو ۹۹۰ھ میں موضع اکبرپورہ آئے اور مستقل سکونت اختیار کی۔

۹۹۳ھ میں شیخ جلال الدین تھانیسری رح کے خلیفہ میر ابوالفتح قنباچی سے طریقہ عالیہ چشتیہ میں بیعت کی۔

یہ مشہور ولی، عالم اور غازی بالآخر عہد شاہجہان میں ۹۵ سال کی عمر میں ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۶۳۰ء فوت ہوئے۔ ان کی تجہیز و تکفین میں میاں عثمان، اخون چالاک، شیخ علی، شیخو شاہجہان پوری اور شیخ رحمکار جیسے جلیل القدر بزرگ شریک تھے۔

"مناقب زین الدین" میں لکھا ہے:- "زبدۃ العارفین اخون پنجو قدس اللہ سرہٗ اکبرپوری جو اپنے زمانے کے کامل و مکمل اولیاء میں سے تھے۔ بے شمار مرید رکھتے تھے۔ خاصکر مولانا علی رحمۃ اللہ علیہ تکمیل کے درجے کو پہنچے تھے اور مخلوق کی صحیح رہنمائی فرماتے تھے۔ ان کے بیٹے مولانا عبدالرحیم خوارق عادات کے مالک تھے۔ ایک دن اخوند عبدالرحیم نے اپنے والد اخوند علی سے پوچھا کہ اخوند درویزہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں شاہ ابابکر، شاہ اسمٰعیل اور پیر سباک رحمۃ اللہ علیہم کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ اخوند علی نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ میں نے اخوند پنجو رح کی زبانی کئی مرتبہ سنا ہے کہ ابوبکر رح، شاہ اسمٰعیل رح اور پیر سباک تینوں کے تینوں غوث کا مرتبہ پاکر فوت ہوئے ہیں اور ان کی طرح اصلی اور صحیح النسب سید کمیاب ہیں۔ اخوند درویزہ رح نے اہل غرض کے کہنے پر بلا تحقیق لکھا ہے۔ اس کے لکھے پر اعتبار نہیں۔ ایضاً مولانا اخوند پنجو قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جتنا میں ان کے حال سے واقف ہوں دوسرا کوئی نہ ہوگا۔

اس کے بعد کا بیان آپ شاہ اسمٰعیل کے حالات میں پڑھ چکے ہیں۔

بقول قاضی عبدالحلیم اثر افغانی پیر باکؒ کے فرزند پیر فریدالدین نے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مولانا اخوند چوباباؒ سے بیعت کی تھی۔ واللہ اعلم

شیخ رحمکارؒ المعروف بہادر خان بابا المعروف ایک صاحب اور کاکاخیل خاندان

کاکا صاحبؒ کے والد ماجد بہادر خان باباؒ اور ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ پیر سباکؒ کے اجداد کا تعلق اسی زمانے سے معلوم ہوتا ہے جب یہ لوگ علاقہ خوست میں مقیم تھے۔ شیخ ابوبکرؒ تمام خٹک قوم کے مرشد تھے اور اس خٹک قوم میں کاکا صاحبؒ کے آباؤ اجداد بھی شامل تھے۔ کتب تاریخ سے شیخ ابوبکرؒ اور بہادر خان بابا المعروف ایک صاحب کے درمیان تعلق ثابت ہے۔ شیخ ابوبکرؒ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں بہادر خان باباؒ کے پیر طریقت تھے۔ ان ہی کی درخواست پر شیخ ابوبکرؒ نے اپنے فرزند سید محمود المعروف پیر سباکؒ کو ان کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ ان کی صحبت بابرکت سے فیض حاصل کریں۔ بعد میں کاکا صاحبؒ بھی پیر سباکؒ کی صحبت[۱۲۰] میں آیا جایا کرتے تھے۔ پیر سباکؒ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں پوتوں کے ساتھ بھی کاکا صاحبؒ کے تعلقات خوشگوار اور خصوصی عقیدت کے حامل رہے۔

"تاریخ مرصع" میں لکھا ہے (صفحہ ۵۹۱) کہ حضرت کاکا صاحبؒ نے ایک دن اپنی تمام کتابیں جن میں حدیث، فقہ اور اقوال مشائخ کی کتابیں شامل تھیں، علماء اور خدام کی نذر کر دیں اور مسجد کو ویران کر دیا۔ اس کی لکڑیاں اور اینٹیں فقیروں میں تقسیم کر دیں۔ شیخ شہاب الدین جو پیر سباکؒ کے فرزند اور راہِ حق پر چلنے والے تھے، نے حضرت شیخ کے پاس پیغام بھیجا کہ کتابیں لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ اس کا

آپ کو حق حاصل تھا کیونکہ آپکی ملکیت تھیں لیکن مشکل یہ ہے کہ مسجد جو کسی کی بھی ملکیت نہیں ہے آپنے کس بناء پر اس کی اینٹیں اور لکڑیاں فقراء میں تقسیم کر دیں شیخ کاکا صاحبؒ نے جواب میں کہا کہ میں ان چند کتابوں اور مسجد کے علاوہ کسی شے کے ساتھ دلبستگی نہیں رکھتا اور جس چیز کے ساتھ بھی دلبستگی رکھتا ہوں اسے اپنے راستے کا دشمن خیال کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے کتابیں تقسیم کر دیں۔ ایسے ہی مسجد کے ساتھ میری دلی وابستگی تھی، میں اس میں نماز پڑھتا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ مسجد کے ساتھ میری یہ دلبستگی اس جگہ میری نماز کو بت پرستی بنا دے۔ اسی وجہ سے مجھ سے یہ عمل سرزد ہوا۔ اس سلسلے میں مجھے معذور سمجھیں۔

لیکن یہ خوشگوار عقیدتمندانہ اور خصوصی تعلقات کاکا صاحبؒ کی وفات کے بعد قائم نہ رہے۔ کاکاخیل اس بات کو اپنی اہانت سمجھنے لگے کہ کاکا صاحبؒ اور ان کے اجداد نے پیر سباکؒ اور ان کے اجداد سے فیض حاصل کیا تھا۔ اسی طرح پیر سباکی اس پر بیجا فخر کرتے تھے یہاں تک کہ پیر زین الدین کے وقت تک حالات بدل گئے اور بعد میں برہان گل میاں صاحب کی اولاد میں بابا میاں صاحب نے موضع دلیٹی پر قبضہ مخالفانہ کر لیا۔ اور شمس الدین مولانا نے جو کچھ لکھا بعد میں وہ اسی مخالفت کی بنا پر تھا۔

لیکن اس کے باوجود جب کاکاخیلوں اور اشرف خان خٹک کی اولاد میں جنگیں ہوئیں تو ایک دفعہ کاکاخیلوں نے بمعہ مال و اسباب پیر زین الدین کی اولاد کے پاس موضع پیراں میں امان پائی۔ اس واقعے کا ذکر افضل خان نے تاریخ مرصع میں کیا ہے۔

اخون چالاک باباؒ

ان کا ذکر اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔ پیر زین الدینؒ کے استاد تھے اور ابتدائی کتابیں انہوں نے ان ہی

بزرگ سے پڑھیں بقول قاضی عبدالحلیم اثرؔ صاحب جب اخوند چالاکؒ جہاد کے لئے جارہے تھے تو ان کی سرگردگی میں جانے والے لشکر میں سید محمد یوسف ابن سید محمد یونس اور سید علی گیلانی المعروف بہ سید زندہ پیر و علی مست و زندہ علی کے ساتھ سید فرید الدین بمعہ فرزندوں کے شامل تھے اور موضع طوروؔ میں سید فرید الدین کی زمین کو مجاہدین کے کیمپ کے طور استعمال کیا گیا تھا۔ اس زمین کو عیدگاہ کے طور پر جہادگاہ کا نام دیا گیا جسے بعد میں جہادگے کے نام سے شہرت ملی (واللہ اعلم)

حضرت یونس افلاکؒ مشہور عالم اور بزرگ تھے۔ موضع طورو کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ماجد کا نام سید سلیمان گیلانی قادری تھا۔ اخون یونسؒ اپنے ہی گاؤں کے مغرب کی طرف نالہ کلپانڑی کے پاس دفن ہیں۔ ان کی زیارت پر بہت لوگ جاتے ہیں۔ پیر زین الدینؒ نے موضع طورو میں اپنی آٹھ کنوئیں کی زمین ان کی نذر کی تھی جو آج تک اخوند صاحب کی اولاد کے قبضے میں ہے۔ یہ قصۃ المشائخ کا بیان ہے۔ اس کے برعکس قاضی اثرؔ صاحب لکھتے ہیں:۔ "پیر سباکؒ کے فرزند سید فرید الدین نور محمد نے ان ہی سید سلیمان گیلانی سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی تھی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے ساتھ پیر سباکی خاندان کا رابطہ سید فرید الدین کی وساطت سے آیا تھا۔ سید فرید الدین نور محمد متوفی ۱۰۹۵ھ/۱۶۴۹ء کی ایک لڑکی تھی جس کا اسم گرامی تھا سیدہ بیگم۔ اور یہ سیدہ بیگم حضرت سید محمد یونس گیلانی ابن سید سلیمان گیلانی کی بیوی تھیں۔ سید محمد یونس گیلانی کی دوسری بیوی کا نام تھا سیدہ آلفیہ جو حضرت مولانا عبدالوہاب عرف اخوند پنجو بابا کی دختر نیک اختر تھیں۔

موضع طورو میں سید فرید الدین نور محمد کو شہنشاہ دہلی شاہجہان کے عہد حکومت میں جاگیر نہیں بلکہ مقامی لوگوں نے جو سیری دی تھی وہ تعدادی نو رسٹوں کی زمین تھی۔ یہ اراضی نالہ بلڑ اور نالہ کلپانی کے مقامِ اتصال سے بجانب شمال سنگھم میں واقع تھی۔ اب نالہ بلڑ نے اپنا راستہ بدل دیا ہے اور یہ اراضی اس نالہ کے جنوب میں واقع ہے۔ جب سید فرید الدین ابن پیر سباکؒ فوت ہو گئے اور سید زین الدین جانشین ہو گئے تو ترکۂ پدری اور میراث کی تقسیم میں طورو کے نو عدد رسٹوں کی زمین والد کی میراث کے طور پر سید زین الدین کی ہمشیرہ سیدہ بیگم زوجہ سید محمد یونس گیلانی کو دی گئی۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت سید محمد یونس موضع طورو کے اور نالہ کلپانی کے مغرب میں واقع موضع خاوہ میں سکونت پذیر تھے اور میراث کی یہ زمین ان کے نزدیک پڑتی تھی......

قاضی اثرؔ صاحب کے اس بیان پر ہم "قصۃ المشائخ" کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں جس کے مطابق حاجی سید عبدالشکور ابن پیر زین الدین پہلے بزرگ تھے جنہوں نے اس خاندان میں پہلی بار طریقہ قادریہ میں بیعت کی۔ اسی طرح وہ نو رسٹوں کی زمین حضرت یونس گیلانی کو ان کے شاگرد پیر زین الدین نے نذرانہ میں دی تھی کیونکہ ان دو بزرگوں کے درمیان رشتہ ناممکن سی بات تھی کیونکہ پیر سباکی سادات آج تک اپنی بیٹیاں غیر خاندانوں میں نہیں بیاہتے۔ اسی لحاظ سے "سیدہ بیگم" کا وجود بھی مشکوک ہے کیونکہ اثرؔ صاحب اس سے پہلے اپنی مشہور تالیف "روحانی روابط" میں لکھتے ہیں:۔

"سید محمد یونس گیلانی کی تیسری بیوی حضرت مولانا شیخ المشائخ محمد عمر

المعروف پیر سباک علیہ الرحمۃ کی بیٹی تھیں جن کا نام "بیگم" تھا۔ ضلع مردان تحصیل صوابی کے موضع پرموبی کے پیراں اسی بی بی کی اولاد سے ہیں۔"

حضرت نور محمد المعروف بہ اخوند یونسؒ

ہمارے خاندان کے مورث اعلیٰ تھے۔ ان کا سن پیدائش اندازاً ۹۷۹ھ اور سالِ وفات ۱۰۵۹ھ ہے۔ حضرت اخوند پنجو باباؒ اور حضرت آدم بنوریؒ سے فیض حاصل کیا۔ یوسف زئی اور منڈر قوم کے پیشوا تھے۔ حضرت نور محمد (اخوند نویس) گیلانیؒ کی تین بیویاں تھیں۔ (۱) حضرت آلینہ جو حضرت اخوند پنجو سید عبدالوہابؒ کی بیٹی تھیں۔ ہمارا خاندان اس بی بی کی اولاد ہے۔ (۲) زوجۂ دوم۔ جہان آراء ان کی اولاد بھی موضع طورو میں آباد ہے۔ (۳) زوجۂ سوم کا نام 'بیگم' تھا۔ جو اخوند پیر سباکؒ کی بیٹی تھیں۔ بقول اثر افغانیؒ پرمولی پیران کی اولاد ہیں۔ آپ نے پیر زین الدینؒ کی حبس ہشت راہٹی زمین کی بات لکھی ہے اس کا ہمارے گھرانے کے بزرگوں کو پتہ نہیں۔ اگلے وقتوں کے بزرگوں کو 'سیری' دی جاتی تھیں۔

بنڑ باباؒ جن کا اصلی نام محمد گل تھا۔ نوشہرہ کے شلا باباؒ کی اولاد میں سے تھے۔ طورو میاں صاحب حضرت محمد حسنؒ کی دعوت پر آئے۔ اور وہاں آباد ہوئے۔ میاں صاحب اور ان کے بیٹے بنڑ باباؒ سے پڑھتے تھے۔ بقول طورو کے مشہور شاعر اور ماہر علم الانساب تاج ملوک خان دلسوز مرحوم بنڑ باباؒ ایک عاجز طبع انسان تھے۔ مخلوق خدا سے دور گوشۂ تنہائی میں ذکر و عبادت میں مصروف رہتے تھے" یہ دونوں بزرگ بنڑ باباؒ اور میاں صاحب علیہ رحمۃ ۱۸۰۰ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان بقید حیات تھے اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ہم عصر تھے۔ (بحوالہ خط م۔ ر۔ شفیق طوروی مورخہ یکم جولائی ۱۹۸۱ء)

سید السادات شیخ آدم بنوری مشوانیؒ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے خلیفۂ نامدار اور اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آپ مشرقی پنجاب میں جالندھر کے قریب پٹیالہ ریاست کے بنور نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد اسمٰعیل خان جہان لودھی کے مشیر خاص تھے۔ شیخ آدم بنوری نے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی الکابلی سے تکمیل اور ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ لاکھوں ہندوستانی افغان ان کے مرید ہوئے تو شاہجہان بادشاہ کو خطرہ لاحق ہوا اور ان کو ہندوستان سے جلاوطن کیا۔ ۱۰۵۳ھ بروز جمعہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں "نکات الاسرار"۔ نظم النکات، خلاصۃ المعارف اور تفسیر سورۃ الفاتحہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ [۱۳]

محترم قاضی اثر صاحب لکھتے ہیں: "پیر سباکؒ کے بڑے بیٹے فرید الدین نور محمد نے سلسلہ نقشبندیہ میں سید السادات خواجہ بزرگ سید آدم بنوریؒ سے بیعت کی تھی اور ان کے خلفاء میں سے تھے۔"

شیخ سعدی لاہوریؒ

آپ حضرت شیخ آدم بنوریؒ کے خلیفہ تھے۔ ۱۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔ "مناقب زین الدین" میں لکھا ہے کہ پیر سباکؒ کے پوتے پیر زین الدین سلطان العارفین قطب الواصلین حضرت شیخ سعدی لاہوری قدس اللہ سرہٗ کے ہم صحبت اور

مریدوں میں تھے اور کتاب " بضعتہ الاربعین " انہی کے اشارے اور دعوت پر تصنیف کی۔

حاجی بہادر صاحبؒ کوہاٹی

مشہور و معروف ولی تھے۔ کوہاٹ میں دفن ہیں۔ ۱۶ ماہ رجب بروز دوشنبہ قبل از نماز مغرب آگرہ میں پیدا ہوئے اور ۶ ماہ رجب ۱۰۹۹ھ بروز جمعہ بوقت صبح صادق آپ نے کوہاٹ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالرحیم المعروف میاں جیؒ صاحب جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ نے کچھ عرصہ تک حاجی بہادر صاحبؒ کوہاٹی سے فیض حاصل کیا۔

سرالاعظم شیخ محمد یحییٰ اٹکیؒ

مشہور و معروف ولی تھے۔ شہر اٹک میں ان کا مزار مبارک آج تک مرجع خلائق ہے۔ ہر سال اس پر عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں زائرین شریک ہوتے ہیں۔

۱۰۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۳۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ شیخ سعدی لاہوری کے خلیفہ اکبر تھے۔ ان کا طریقہ نقشبندیہ تھا۔ پیر زین الدینؒ ان کے ہم پیر و ہم استاد تھے۔ پیر زین الدینؒ کی وفات پر ان کے گھر موضع بیت الخریب تعزیت اور فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لائے۔ کتاب " قصۃ المشائخ " میں لکھا ہے کہ ان (پیر زین الدینؒ) کی وفات کے بعد حضرت جیو رحمۃ اللہ علیہ ان کے لنگر اور روضہ مبارکہ کے مختار تھے۔

پیر زین الدینؒ کے دس بیٹے ان کے مرید تھے اور حضرت سرالاعظمؒ اس پر بڑا فخر کیا کرتے تھے کہ دس پیر زادے ان کے مریدوں میں سے ہیں اور اونچے

مراتب اور جناب والے ہیں۔

پیر زین الدین کے پوتے سید میر محمد شاکرؒ جو ایک خوشنوا شاعر اور ادیب تھے وہ حضرت سرالاعظم شیخ محمد یحییٰ المعروف حضرت جی صاحب اٹکؒ کو اپنا جد امجد بتلاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر زین الدین کے بیٹے حاجی سید عبدالشکورؒ پر حضرت سرالاعظمؒ کی بیٹی بیاہی ہوئی تھی (یہ محترم آثر صاحب کا بیان ہے) قصۃ المشائخ میں بھی یہ درج ہے کہ " فاتحہ خوانی کے بعد حضرت سرالاعظم پیر زین الدینؒ کے گھر گئے۔ واضح ہو کہ انہوں نے اپنے درمیان اخلاص کا خصوصی اور بلند رابطہ قائم کیا تھا۔"

قاضی آثر صاحب میاں محمد عمر چمکنیؒ کی تالیف " خزینۃ الاسرار " کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔ " سید حاجی عبدالشکور اور حضرت جی صاحب اٹک دونوں پیر بھائی اور حضرت پدر بزرگوار شیخ سعدی بخاری کے مرید تھے۔" لیکن حضرت سرالاعظم کا سلسلہ نقشبندیہ جو اب تک جاری ہے اس میں سید عبدالشکورؒ کو حضرت سرالاعظم کا خلیفہ بیان کیا گیا ہے۔ " مناقب زین الدین " سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

میاں محمد عمر صاحب چمکنیؒ

آپ غوث الافغان کے لقب سے مشہور ہیں موضع چمکنی ضلع پشاور میں ان کا مزار معروف ہے۔ پیر باباکی بزرگوں سے انتہائی خوشگوار تعلقات رکھتے تھے اور انکی بڑی اکرام و تعظیم کیا کرتے تھے ۱۱۴۳ھ میں حضرت مولانا غوث الافغان میاں محمد عمر چمکنی نے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب " اثبات خلافت راشدہ " فضائل خلفاء اربعہ، فضائل صحابہ۔ مناقب اہل بیت و مسلک اہل السنت والجماعۃ فی الصحابہ"

کے نام سے جو ۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء میں مسجد الحرام میں لکھی گئی تھی اس کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی نقل حضرت غوث الافغان نے سید حاجی عبدالشکور کی خدمت میں پیش کی تھی۔

حضرت میاں عمر ۱۰۸۵ھ میں دریائے راوی کے کنارے واقع پنجاب کے قصبہ فرید پور میں محمد ابراہیم کے گھر پیدا ہوئے۔ علاقہ باجوڑ کے قبیلہ موسیٰ خیل ترکلانی سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اپنے نانا ملک محمد سعید کے ساتھ موضع چمکنی میں آکر مقیم ہوئے۔ ۱۱۹۰ھ میں موضع چمکنی پشاور وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ بڑے عالم، مدبّر، مؤرخ اور مصنف تھے۔ احمد شاہ ابدالی ان کے معتقد تھے اور ان ہی کے مشورے پر ہندوستان حملہ آور ہوئے۔ حافظ رحمت خان اور نجیب الدولہ کے ساتھ بھی خصوصی روابط تھے۔

ان کی تالیفات میں شمائل النبی۔ خلاصہ کیدانی اعتانی اور المعانی شرح آمالی مشہور ہیں۔

شیخ جنید پشاوریؒ

ان کا مزار مبارک بھی پشاور شہر میں ہے۔ سن وفات ۱۱۶۶ھ ہے۔ شیخ جنیدؒ نے شاہ معصومؒ پیر سباکی ابن سید حاجی عبدالشکور سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں یہ دونوں بزرگ پیر بھائی تھے اور حضرت سرالاعظم یحییٰ اٹکیؒ کے مشاہیر خلفاء میں سے تھے۔

عبدالحلیم اثر افغانی صاحب ماہنامہ قند کے جنوری فروری ۱۹۷۳ء کے شمارے میں لکھتے ہیں:۔ "دوسری بات یہ ہے کہ حضرت حافظ اخوند شیخ جنید سلسلہ

عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ میں دو بزرگوں کے مرید تھے: (۱) سید شاہ معصوم پیر سباکی جن کا مزار پشاور شہر میں واقع ہے) جن کا سلسلہ قادریہ حضرت میراں محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے (۲) حضرت شیخ احمد ملتانی سے بیعت تھے جن کا سلسلہ بھی حضرت غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔

سید علی المعروف بہ پیر باباؒ

سید علی غواص ترمذیؒ المعروف پیر باباؒ ۹۰۸ھ بمطابق ۱۵۰۲ء میں ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید قنبر علی ہمایوں بادشاہ کے رشتہ دار تھے اور امیر نظر بہادر کے خطاب سے نوازے گئے تھے۔ لیکن ان کے دادا سید احمد یوسف عالم اور بزرگ تھے۔ پیر باباؒ سلسلہ کبرویہ میں ان کے مجاز ہوئے۔ بعد میں شیخ سالار رومیؒ نے چاروں سلسلوں (چشتیہ، سہروردیہ، شطاریہ اور ناجیہ حلاجیہ) میں بیعت فرمائی۔ اپنے شیخ کے حکم پر "کوہستانی علاقے" کی طرف روانہ ہوگئے پشاور میں ان کی ملاقات حاجی سیف اللہ گگیانی اور ملک گدائی گگیانی سے ہوئی ان دو حضرات کی درخواست پر علاقہ دوابہ میں مقیم ہوئے لیکن ایک سال بعد علاقہ یوسف زئی تشریف لے گئے اور بمقام سدوم آباد ہوئے۔ وہیں شادی کی۔ وفات تک وہیں مقیم رہے۔ آخر ۸۱ سال کی عمر میں اس دنیا سے تشریف لے گئے (بمطابق ۹۸۹ھ) بونیر ضلع سوات میں دفن ہیں۔ مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں ہر سال ان کی زیارت پر دعا مانگنے کیلئے جاتے ہیں۔

اخوند درویزہؒ

پیر باباؒ کے مشہور خلیفہ گزرے ہیں۔ ملا زنگی پاپنی کے شاگرد تھے اور نسلاً تاجک ترک تھے۔ ماں کی

طرف سے سلاطین بلخ کے واسطے سے سلطان سکندر یونانی کی اولاد سے تھے۔ ۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴۸ھ میں بعمر ۱۰۸ سال بمقام پشاور وفات پائی اور ہزار خوانی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

پروفیسر تقویم الحق صاحب کی تحقیق کے مطابق اخوند درویزہؒ نے ۹۶۰ھ تا ۹۶۲ھ کے درمیانی عرصہ میں پیر باباؒ سے ملاقات کی اور ان کے مرید[15] ہوئے کچھ عرصہ کے بعد اخوند صاحب کے استاد حضرت حاجی محمد المعروف بہ ملا زنگی پاپینی کی سفارش پر پیر باباؒ نے ان کو خلافت عطا کی۔ درج ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:۔

۱۔ مخزن الاسلام:۔ یہ کتاب کئی کتابوں اور رسالوں کا مجموعہ ہے جن میں رسالۂ قرأت۔ کتاب العقائد۔ قصیدۂ بردہ۔ خلاصہ اور الف نامہ شامل ہیں۔ اس طرح یہ کتاب علم کلام، علم فقہ، علم حدیث اور اخوند صاحب کے اپنے کلام پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی تکمیل میں ان کے بیٹے اور پوتے نے بھی حصہ لیا۔

۲۔ تذکرۃ الابرار والاشرار:۔ فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ سن تصنیف ۱۰۲۱ھ ہے عقائد اور تاریخ کی کتاب ہے۔ اپنے زمانے کے اچھے اور برے پیروں کا ذکر کیا ہے

۳۔ ارشاد الطالبین۔ (۴) ارشاد المریدین:۔ یہ دونوں کتابیں فارسی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ اخوند درویزہ بابا" بایزید انصاری المعروف بہ پیر روشان کے سخت مخالف تھے۔ "مخزن" نامی کتاب انہوں نے پیر روشان کی مشہور تصنیف "خیر البیان" کے جواب اور رد میں لکھی ہے۔

اخوند درویزہؒ نے اپنی کتاب "تذکرہ" کے صفحہ نمبر ۱۳۲ پر پیر چالاک اور

پیر عمر کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۱۸۲ پر شاہ اسمٰعیل، میر علی۔ ابو بکر اور پیر عمر کا ذکر کیا ہے اور ساتھ لکھا ہے کہ یہ لوگ قندھار کے منگہ نامی چور کی اولاد سے ہیں۔ تھوڑا یا بہت مرتبہ جن کو پہنچ چکے ہیں اور سماع کو جائز سمجھتے ہیں۔

اب ہم ان الزامات کی تفصیل میں جاتے ہیں۔

صفحہ ۱۳۲ پر پیر عمر اور پیر چالاک کے ساتھ پیر باباؒ کی اس ایک ملاقات کا ذکر یوں کرتے ہیں: "اس وقت افغانوں میں ایک قاعدہ بن گیا تھا کہ جب ان میں ایک عالم فاضل (شیخ و عالم) ظہور میں آتا تو جب تک اس کو وہ میرے اور میرے پیر کی نظر میں (مباحثے کیلئے) نہ لاتے یہ لوگ ان کے اقوال و افعال کو نہ قبول کرتے اس علاقے کے سردار جمع ہو جاتے۔ ہمیں اور اس نو وارد کو بحث اور امتحان کیلئے یکجا کر دیتے تاکہ کیفیت حال معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ایک روز پیر عمر اور پیر چالاک دونوں بھائی جو خٹک افغانوں کے پیر ہیں۔ اس طرف آپہنچے تھے۔ اس علاقہ کے لوگوں نے انہیں اور ہمارے شیخ کو ملانا چاہا۔ پس ہمارے مخدوم و امام نے ظاہری اور باطنی طور پر جان لیا کہ وہ کیا کہیں گے۔ کاغذ کا ایک پرزہ دستارچہ میں لپیٹ کر اور اپنے ایک مرید کو دے کر کہا کہ میں جب تیری طرف دیکھوں تو اسے مجلس میں پھینک دینا۔ آپس میں ملاقات ہو جانے کے بعد ہمارا شیخ چپ رہا کہ میں اس جاہل بے علم سے کیا پوچھوں گا۔ کچھ دیر کے بعد پیر چالاک نے دو زانو ہو کر جیسا کہ جنیوں اور مفتریوں کا معمول ہے کہا۔ "آج ایک بڑی بلا آسمان سے زمین پر پہنچی ہے جس کا ایک سرا مشرق پر اور دوسرا مغرب پر ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بلا کہاں گئی ہو گی؟" ہمارا شیخ اس کی بیوقوفی اور گمراہی پر مسکرایا اور کہا۔ "نہ آئی ہے اور نہ تو نے دیکھی ہے۔"

اتنے میں اس نے اپنے ایک دوست کو اشارہ کیا جس نے وہ کپڑا مجمع کے بیچ میں رکھ دیا۔ اس وقت ہمارا شیخ بولا کہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کا رستہ ہے اور آسمان بھی پانچ سو سال کی چوڑائی رکھتا ہے اور زمین کے آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ ہر آسمان پانچ سو سالہ راہ کی چوڑائی اور دوسرے آسمان سے پانچ سو سال راہ کی دوری پر ہے۔ اس طرح سے ساتویں آسمان تک سات ہزار سال کا سفر بنتا ہے۔ جب تمہاری نظر اس مسافت کو دیکھ سکتی ہے تو اس دستارچہ کو ظاہری اور باطنی نظر سے دیکھ کر بتلاؤ کہ اس میں کیا چیز ہے؟۔ اس جاہل بدتمیز نے بناء برضرورت (جیسے کہ کہا گیا ہے ؎

وقت ضرورت چوں نماند گریز! دست بگیرد سر شمشیر تیز) فرمایا کہ: اس میں دنیا کے میووں میں سے ایک میوہ ہے"۔ جب لوگوں نے فوراً کھول کر دیکھا تو کاغذ کا ایک پرزہ پایا۔ وہ جاہل دونوں جہانوں کی شرمندگی اٹھا کر چلا گیا"۔

اب بزرگوں کی باتیں بزرگ ہی جانیں۔ ہم اس سلسلے میں اسلئے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کوچے سے قطعی نابلد ہیں۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ جو بزرگ ایک وقت میں آسمان کے پار دیکھ سکے اسے دوسرے لمحے آسانی سے نظر آنے والا کپڑے میں لپٹا کاغذ کا ٹکڑا بھی نظر آجائے۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اخوند صاحب نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا معلوم ہوتا ہے کہ وادئ پشاور ہی کی سرزمین پر یہ ملاقات ہوئی ہوگی۔ جناب اثر صاحب میرے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ ۹۴۰ھ

١٥٣٣ء کے قریبی زمانہ میں وادئ پشاور تشریف لائے تھے اور ۹۹۱ھ/١٥٨٣ء میں فوت ہوگئے تھے۔ پیر عمر اور آپکی ملاقات ۹۵۰ء/١٥٤٣ء سے پہلے قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے یہ سرسری معلومات ہیں۔ تحقیقی طور پہ نہیں لکھا گیا۔ اس میں غلطی ہوسکتی ہے۔ ترمیم و اضافہ کیا جاسکتا ہے"۔

جناب تقویم الحق کاکاخیل نے جو تحقیق کی ہے اس کے مطابق پیر باباؒ کی وادئ پشاور میں آمد کا زمانہ تقریباً ۹۴۹-۵۰ھ ہے اور بونیر سوات جانے کا زمانہ ۹۵۰-۵١ھ متعین کرتے ہیں۔ ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ سدوم علاقہ یوسف زئی میں قیام کے بعد صرف ایک دفعہ وہ (پیر باباؒ) اپنی والدہ کو دیکھنے کے لئے ترمذ گئے تھے۔ اس کے بعد وفات تک وہ اس گاؤں سے باہر نہیں گئے۔

تقویم صاحب اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ جب پیر باباؒ علاقہ یوسف زئی تشریف لائے تو اس موقع پر ان کے مشہور مرید اخوند درویزہؒ ان کے ساتھ تھے اسی طرح یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اخوند درویزہ بابا ننگرہاری دوآبہ میں قیام کے دوران پیر بابا کے مرید ہوئے تھے۔ تقویم الحق صاحب پیر باباؒ اور اخوند درویزہؒ کی ملاقات کا زمانہ اندازاً ۹۶۰-۶۲ھ متعین کرتے ہیں۔

اب اخوند درویزہ باباؒ ۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۹۵۰ھ میں ان کی عمر صرف دس سال ہوگی اور اس وقت تک وہ پیر باباؒ کے مرید بھی نہیں ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس ملاقات کا ذکر انہوں نے سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے لکھا ہے حقیقت کیا ہے اس کا علم خداوند پاک ہی کو ہوگا۔ ویسے اخوند صاحب کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی کتاب تذکرہ میں ایسے اولیاء اور مشائخ کا ذکر بھی کرتے ہیں جو اس کتاب کی

تالیف کے زمانہ سے ایک سو اور دو سو سال پہلے ہو گزرے تھے لیکن ان کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے جیسے وہ ان کے ہمعصر ہوں۔ مثال کے طور پر میرداد متی زئے خلیل ۸۵۰ھ کے زمانہ کے ہیں لیکن ان کا ذکر ایسے انداز میں کیا گیا ہے جیسے وہ ان کے ہمعصر ہوں حالانکہ پیر میرداد کی پانچویں پشت میں ان کا پوتا خواجو اور اخوند درویزہ'' دونوں ہمعصر تھے۔

دوسری اہم بات اخوند درویزہؒ کا پیر چالاک کو "جنی اور مفتری" کہنا ہے یہ ایسا خطاب ہے جو اخوند درویزہ نے اپنے ہر مخالف پیر و بزرگ کو دیا۔ مثلاً شیخ میرداد افغان موتی زئی جن کو "تواریخ حافظ رحمت خانی" کا مصنف "قطب زمان" لکھتا ہے۔ موضع لاشوڑہ میں دفن ہیں اور تین ہزار پچاس مریدوں کے ساتھ قندھار سے لاشوڑہ تشریف لائے تھے۔ اخوند درویزہ نے اس میرداد خلیل کو کبھی "جنی پیر" لکھا ہے۔ ان کے ساتھ ان کے مرید ملا میر کو بھی کافر بتایا ہے (تذکرہ صفحہ ۱۶۹) سرفراز خان عقاب خٹک اپنے مضمون "تواریخ حافظ رحمت خانی" میں لکھتے ہیں۔ "اخوند درویزہ'' نے تذکرہ میں شیخ میرداد خلیل کا ذکر اشارۃً میں کیا ہے۔ صفحہ ۱۶۹ پر ان کو جنی یعنی کشف جنونی کا مالک بتایا ہے جو سلوک میں ایک ادنیٰ ناسوتی مرتبہ ہے اور یہ مرتبہ جو اخوند درویزہ کے زمانے میں عام تھا آج کل کے سجادہ نشینوں کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے۔

عقاب صاحب نے اپنی تصنیف "پیر سباک" میں مرتبۂ جن کی یوں تعریف کی ہے "مرتبۂ جن[۱۶] جسے کشفِ جنونی بھی کہتے ہیں، طریقت میں ایک ابتدائی، ادنیٰ اور ناسوتی لیکن ناگزیر منزل ہے۔ اسی منزل میں جنات جو وہ بھی ناسوت میں رہتے

ہیں سالک کو غیب کی خبریں بتلاتے ہیں"۔

پیر سباکؒ کے بزرگوں کی اصل نسل اور معمولات کے بارے میں تذکرہ کا بیان:

"تذکرہ" اخوند درویزہؒ نے ۱۰۲۱ھ میں لکھا ہے لیکن اس میں محمود شاہ المعروف پیر سباکؒ کا کہیں بھی ذکر نہیں اور نہ ہی اس بیان میں ان کا نام موجود ہے جس میں اخوند صاحب پیر سباکؒ کے بڑے بھائی پیر عمر اور باپ دادا شاہ اسمٰعیل، ابوبکر اور میر علی کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ پیر سباکؒ ان کے ہمعصر تھے اور وادئ پشاور میں ان کے نزدیک ہی رہتے تھے۔

اب ہم تذکرہ کے اس بیان کو نقل کرتے ہیں۔ بعد میں ان آراء کا تفصیلاً جائزہ لیں گے جو اخوند صاحب کی اس تحقیق پر مختلف اوقات میں ظاہر کی گئیں تذکرہ کے صفحہ ۱۸۲-۸۳ پر یوں لکھا گیا ہے:۔

"خواجہ افغاناں ثہ دونی کا مذہب جبریہ تھا۔ وہ تارک صوم وصلوٰۃ تھا اور کئی قسم کے منہیات کیا کرتا تھا۔ خدا کی اس پر لعنت ہو"۔

انہی لوگوں اور ان کے خلفاء سے سنا گیا کہ قندہار میں منگہ نامی ایک چور نے لاف ماری تھی کہ میری پیٹھ سے پیر پیدا ہونگے اسلئے اس کی اولاد مثلاً شاہ اسمٰعیل میر علی، ابوبکر اور عمر نے پیری کا دعویٰ کیا اسلئے کہ تھوڑا یا بہت مرتبۂ جن تک پہنچے تھے اور خٹک افغان لوگ سب کے سب ان کی طرف رجوع رکھتے تھے۔ بلکہ خدا اور رسولؐ کو نہیں پہچانتے اور انہیں پہچانتے ہیں اور ان پر مال و جان قربان کرتے ہیں۔ ان کی روش یہ ہے کہ دف، بانسری اور اسی قسم کے اور آلات ملاہی سنتے ہیں اور ان پر رقص کرتے ہیں اور اسے حلال جانتے ہیں اور دعویٰ

کرتے ہیں کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر شریعتِ محمدی سے زائد جائز کر دیا ہے۔ اور بیہوش ہو جاتے ہیں اور وجد میں آجاتے ہیں اور علم غیب بیان کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہیں نے فلاں شخص کو نوازا اور فلاں آدمی کو معزول کر دیا اور فلاں کو ہم نے نقصان پہنچایا۔ ان کے کفر سے خدا کی امان کیونکہ ایسا دعویٰ کرنا کفر ہے جیسا کہ "مجموع ملکی" کی عبارت سے لکھا گیا ہے اور یہ لوگ حجّت پیش کرتے ہیں کہ ہوائے نفسانی کے ساتھ سرود بجانا حرام ہے اور ہوائے نفسانی کے بغیر حلال ہے۔ ان کے فاسد خیال سے اللہ کی پناہ کیونکہ اگر ہوائے نفسانی کے بغیر حلال ہوتا تو امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اسے ابتلیت (آزمائش، بلا میں پڑنا) نہ کہا ہوتا۔ وَالْاِبْتَلَاءُ بِالْمُحَرَّمِ لِیَکُوْنَ حَرَامٌ لَمَّا اَمَرَ مِنْ قَبْلُ۔

دنیا حاصل کرنے کے لئے اطرافِ عالم میں شہر بشہر اور گاؤں بہ گاؤں پھرتے ہیں اور ہر گھر میں اسلئے دف بجاتے ہیں اور ناچتے ہیں کہ لوگ انہیں کچھ دیں تو کیونکر اہل ہوا نہ ہونگے۔ پس یہ جھوٹوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔ اور ان کے اس افتراء سے تو ان کے بڑے باوا کی چوری بہتر تھی کیونکہ چوری کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک اسے حلال نہ سمجھے اور افتراء کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ اس سے خدا کی پناہ۔"

اخوند صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے دو باتیں سامنے آتی ہیں :-

(۱) پیر سباکؒ کے اجداد میں سے ایک منگہ نامی تھے۔ شمس الدین نے یہ نام "منگہ پیر" لکھا ہے جو قندھار میں رہتا تھا اور چوری کرتا تھا۔

(۲) یہ بزرگ وجد، سماع اور دیگر آلات مزامیر کے قائل تھے۔

ان ہر دو اجزاء کے بارے میں وقتاً فوقتاً بزرگوں نے جو آرا، ظاہر کیں وہ درج ذیل ہیں :-

(۱) "قصتہ المشائخ" میں اخوند پنجوؒ کی زبانی "تذکرہ" کے بیان کی جس طرح تردید کی گئی ہے وہ آپ اخوند پنجو رحمتہ اللہ علیہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں اسی موضوع پر مصنف "مناقب زین الدین" لکھتے ہیں :- "ایک معتبر شخص نے جو اپنے وقت کا عالم اور عادل تھا، مجھ سے کہا کہ میں نے وہ تذکرہ جو اخوند درویزہؒ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ دیباچے سے لے کر آخری تتمہ تک دیکھا ہے اور پڑھا ہے لیکن میں نے وہ بحث نہیں دیکھی جس میں اخوند صاحب، شاہ اسمٰعیل، شاہ ابابکر، اور حضرت پیر سباکؒ کا گلہ کرتے ہیں اور جو دیگر تذکروں میں کہتے ہیں کہ لکھا ہے یہ اس کے علاوہ نہیں کہ اس خاندان کے چند دشمنوں نے محض جھوٹ افتراء سے بوجہ عناد اور حسد تیار کیا ہے اور اخوند درویزہ کی کتاب میں لکھ دیا ہے۔ اسلئے کہ وہ اپنے عہد کا مجتہد گزرا ہے اور جب اس کی کتاب میں لکھا ہوا ہوگا تو ترویج و رواج پائیگا۔ اور میرے خیال میں یوں گزرتا ہے کہ اس نے کتاب کا وہ نسخہ موضع سرہند میں اس گاؤں کے اخوند زادوں کے پاس یاد کیا تھا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ اس بات کو گزرے بہت عرصہ ہوا ہے اور دیکھتے نہیں ہو کہ حاسدین دشمنی کی وجہ سے مولانا درویزہؒ پر بھی جھوٹ اور افتراء باندھتے ہیں۔ کہ شریعت میں چار سے زیادہ حرہ عورتوں سے نکاح حرام اور جائز نہیں۔ اور حال یہ ہے کہ "ارشاد الطالبین" (اخوند درویزہؒ کی ایک مشہور تصنیف) میں لکھا ہے کہ دس حرہ عورتوں کو جائز کہا ہے اور آیۂ کریمہ میں صریح آیا ہے :" تو نکاح کرو ان عورتوں کے ساتھ جو تمہیں پسند

ہوں، دو، تین اور چار" تو یہ مسئلہ چار مذہبوں میں ایک میں بھی صحیح نہیں ہے تو اخوند درویزہ رحمۃ اللہ علیہ اتنے بے علم تھے کہ آیتِ کریمہ سے بے خبر تھے تو معلوم ہوا کہ جھوٹ ملایا گیا ہے انہوں نے نہیں کہا ہے"۔

اب اخوند پنجو رحؒ کا یہ کہنا کہ اخوند درویزہؒ نے اہلِ غرض کے کہنے پر بلا تحقیق لکھا ہے پر بحث آپ بعد میں پڑھ لیں گے۔ جہاں تک اخوند درویزہؒ کی کتابوں میں تحریف کی بات ہے تو یہ امر متفقہ ہے تقویم الحق صاحب "مخزن" کے دیباچے میں لکھتے ہیں: "ان کی (اخوند درویزہؒ کی) تین مشہور کتابیں مخزنِ اسلام، ارشاد الطالبین اور تذکرۃ الابرار والاشرار یقیناً ۱۰۱۲ھ اور ۱۰۲۱ھ کے درمیان لکھی گئیں۔ کتاب ارشاد المریدین کے بارے میں بھی یہی اندازہ ہے۔ یہ سب کتابیں ان کے بڑے بیٹے عبدالکریم صاحب نے دوبارہ مرتب کی ہیں اور عام کی ہیں اور ہر کتاب میں کچھ نہ کچھ اضافہ کیا گیا ہے"۔

(۲) "مناقب زین الدین" میں فضل حسین ولد عبدالصمدانی نے خواجہ ملنگ کے جو اشعار نقل کئے ہیں ان میں اخوند درویزہؒ کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اخوند درویزہؒ نے سماع اور پیر صاحب کے بزرگوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ قولِ ضعیف اور قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ یہاں پر ملنگ کے یہ اشعار درج کرنا نامناسب نہ ہوگا:۔

گفت درویزہ سماع از مردم است   ضعفِ قولِ اوست ثابت عمل گم است
گرچہ درویزہ لعنت کردہ بس   نیست سالم از زبانش، ہیچ کس
گر فرشتہ بر سما در آدمی   نیست شاترا از زبانش بیغمی

مثلِ مارِ خفتۂ در راہ بود   چوں بہ ظلمت نزد او کسی بگذرد
سر برآورد پیشِ او بہرِ گزید   از گزید خلق شادان ہمچو عید
بر ہمہ سادات واشرافِ جہان   کرد تہمتہا بہ ایذائے لسان
گفت درویزہ نے باید شنید   بلکہ زد پیوندِ خود باید برید
منِ سلطان در کمین آدم است   جملہ اہل اللہ ز مکرش در غم است
گفت درویزہ کہ منگہ نام دزد   بشنو او را تا بیابی عام مزد
تا چہ گفت آن دزد کہ اولادِ من   پیرِد اہل اللہ شنوند اندر زمن
بعد من از نسلِ من ظاہر شوند   راہبران و پیر وقت خود شوند
چونکہ بگذشت از جہان و بعد ازان   بود فرزندانِ او را بیگمان
شد پدید از نسل و اولادش ہمان   آنچنان کہ گفتہ می بودش جوان
ہست زادلادش ہمہ پیرِ و امیر   ہست تقریر لسان آن فقیر
میر علی شاہ اسمٰعیل شد   عمر و بوبکر ہم بے قیل بود
در ہمہ قوم ختک بر حکم شان   خورد و نوشیدن حرام و متعدان
جانِ دمالِ خود فدائے شان کنند   نزدِ ایشان پیشکش ہا میبرند
حُبِ ایشان فرض میدانند بسی   الفت و تخلیط شان با ہیچکس
نسبت سے ایشان مگر باشد عیول   از نشست او شوند ایشان تمول
تاہم اینجا قولِ آن درویزہ بود   از عیولش دست و خم لبریز بود
من علیکم پردہ بکشائیم ز راز   گوش کن نزدیک من بگذار آز
سر کہ او دُزد متاع و جان بود   قول و فعلش را کجا امکان بود

کہ ہماں گردد کہ او گوید بخلق　　شد ولی گر در قبا باشد نہ دلق
قولِ او چوں صادق آید بے دلیل　　نام وزدش ہست جائز بے دلیل
چونکہ دزداں را چنیں عادت بود　　مثل اہل اللہ در شوکت بود
ایں چنیں کس بگماں باشد ولی　　خواہ ز اولادِ عمر خواہ از علی
ایں کرامت گشت ثابت دزد را　　بشنوید ایں قول منکر مزد را
ذم دزد ویرا بر تُش مدح گشت　　بیشکی عسر لسانے مدح گشت
ہست ثابت تاہمیں دو رائے عزیز　　فضل و علم و خرق عادات و تمیز
جملۂ مذکور را بے ریب و شک　　فضلِ ایشاں و کراماتست لک
خاندان جملہ ایشان صحیح　　ہست گر کس شک کند باشد قبیح
سنی و لاثانی و عالم بُدند　　مشکل خلقان بسے حل می شدند
بود شان علم و کرامات بے شمار　　بیش اندر بیش بلکہ صد ہزار

ترجمہ :۔ اخوند درویزہؒ نے سماع کے متعلق جو کچھ کہا ہے یہ قولِ ضعیف بلکہ گمراہ کن ہے۔ اگرچہ اخون درویزہ نے تنقید کی ہے۔ اس کی زبان سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ فرشتے آسمان میں اور آدمی زمین پر، اس کی زبان سے بے غم نہیں ہیں۔ سانپ کی طرح راستے میں پڑا ہوتا ہے جب اندھیرے میں کوئی گزرتا ہے۔ گزرنے والے پر سر اٹھا کر کاٹتا ہے۔ لوگوں کے کاٹنے سے خوش ہوتا ہے۔ اس نے اپنی زبان سے سارے سادات اور اشراف پر تہمت لگائی ہے۔ درویزہ کی بات سننا نہیں چاہئے بلکہ ایسی چیز کی بیخ کنی کرنی چاہئے۔ شیطان کی طرح چھپا ہوا مارِ آستین ہے تمام اولیاء اللہ اس کے مکر سے پریشان ہیں۔ درویزہ نے کہا کہ منگہ ایک چور کا نام

تھا۔ اس کی بات سنو تاکہ عام ثواب پاؤ۔ اس چور نے کہا کہ میری اولاد سے پیر اور اللہ والے پیدا ہونگے۔ میرے بعد میری نسل سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جو اپنے وقت کے رہبر اور پیر ہونگے۔ جب وہ دنیا سے چلے اور بیشک اس کے بیٹے تھے۔ اس کی پشت سے ایسی ہی اولاد ہوئی جیسے کہ اس نے کہا تھا۔ اس کی اولاد سے تمام پیر و امیر پیدا ہوئے، یہ اس فقیر کا کہا ہوا ہے۔ میر علی اور شاہ اسمٰعیل پیر و رہنما ہوئے اسی طرح عمر و بو بکر بھی بیشک ہوئے۔ ان کے حکم سے سب قوم خٹک پر کھانا پینا حرام تھا۔ خٹک ان پر سر اور مال قربان کرتے ہیں اور ان کے پاس تحائف لے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت فرض جانتے ہیں۔ پیر کی محبت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ ان کی نسبت پیر کے ساتھ عیال کی طرح ہوتی پیر کی مجلس میں متمول ہوتے۔ پھر بھی یہاں اخوند درویزہ کا کہنا تھا۔ ہاتھ اور منہ عیبوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں تمہارے لئے راز سے پردہ اٹھاتا ہوں، میری بات سنو حرص کو چھوڑ دو۔ وہ آدمی جو جان و مال کا چور ہو اس کے قول و فعل کا کیا اعتبار۔ کہ ویسا ہوگا جیسا کہ وہ لوگوں کو کہتا ہے۔ بس ولی ہے خواہ اگر درویشی کے جامہ میں کیوں نہ ہو۔ اس کی بات کیوں سچی ہو کہ اس کا نام بغیر دلیل کے چور رہے۔ جبکہ چوروں کی عادت یوں ہو کہ اولیاء کے جامے میں پھریں۔ ایسا آدمی خود بخود ولی ہوتا ہے خواہ فاروقی ہو یا علوی۔ یہ کرامت چور کی ثابت ہوئی۔ ثواب کے منکر کا قول سنو۔ چور کی مذمت اس کے لئے تعریف بن جاتی ہے۔ بیشک لعنت مدح بنی۔ اس زمانے تک اے عزیز یہ ثابت ہو چکے ہیں۔ علم و فضل، کرامات اور تمیز بیشک یہ تمام مذکور باتیں ان کی فضیلت اور کرامات پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کا سب خاندان صحیح ہے۔ مردار خور پرندہ ہے جو شک کرے اور بُرا ہے۔ سنی تھے اور لاثانی

عالم تھے۔ لوگوں کی مشکلیں حل کرتے تھے۔ علم اور کرامات ان کے لئے بہت اور بے اندازہ تھی۔

خواجہ ملنگ کے ان پرلطف اشعار کے بعد ہم اخوند درویزہؒ کے الزامات کے بارے میں محترم عقابؔ خٹک کی رائے لکھتے ہیں جو انہوں نے اپنی تصنیف "پیر بیاکؒ " میں بیان کی ہے۔

"منگہ چور کا قصہ محلِ توقف ہے۔ ایک طرف تو اس کے راوی تارک صوم وصلوٰۃ اور ہر قسم کے منہیات کرنے والے غیر ثقہ لوگ ہیں۔ اگرچہ ان کا ناقل اخوند صاحب ہے کیونکہ نہ تو ان لوگوں کا قندھار سے آنا ہی ثابت ہے اور نہ ان کے شجرے میں منگہ کا نام آتا ہے لیکن ان کے شجرے پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی مختلف نقلوں میں پانچ پشتوں کا فرق ہے۔۔۔ لیکن اگر منگہ چور کی بات سچ ہو تو بھی چنداں مضائقے کی بات نہیں ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ منگہ سیّد نہ تھا؟ اگر وہ چور تھا تو کیا چور کی اولاد کا نیک بن جانا ممتنع ہے؟..... اب رہا ان کے معمولات: سو اس کے متعلق نظریئے مختلف ہیں۔ اگر شریعت کی رُو سے دیکھا جائے تو بھی اخوند صاحب کی بعض باتیں بعض کے ہاں ناقابلِ قبول ہونگی مثلاً یہ کہ دف وغیرہ کا بجانا۔ اخوند صاحب تو اسے اپنی کتاب "تذکرہ" کے صفحہ ۸ پر ناجائز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دف سننے کے قصے کو گمراہوں اور کفار کی اختراع[17] کہتے ہیں۔ حالانکہ اکثر اہلسنت والجماعت دف سننے کو جائز قرار دیتے ہیں..... اس بحث کو طول دیئے بغیر ہم اتنا لکھنے کی جرأت کرتے ہیں کہ پیر بیاکؒ کے زمانے میں طریقہ سہروردیہ میں وہ باتیں آگئی تھیں جنہیں اخوند صاحب نے ناپسند فرمایا ہے..... میر علی اور شاہ اسمٰعیل کو تو یقیناً اور

ابوبکر کو بھی غالباً اخوند درویزہ نے دیکھا تک نہ تھا۔ اس لئے ان کے متعلق تو جو کچھ لکھ گئے ہیں وہ تو سنی سنائی اور ناقابل قبول باتیں ہیں۔ پیر بیاکؒ اور عمر کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ تھوڑا یا بہت "مرتبۂ حق" کو پہنچے تھے ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

اور چونکہ اس زمانے میں اخوند صاحب کے مخالف پیر روشان کی تحریک زوروں پر تھی جس کی کاروائیوں کو اخوند صاحب غیر اسلامی سمجھتے تھے۔ اس لئے اخوند صاحب نے اپنی تحریروں میں ذرا سختی سے کام لیا ہے اور علم کی کمی اور شریعت کی حد سے زیادہ پابندی کی وجہ سے کچھ انوکھی باتیں بھی لکھ گئے ہیں....."

اس بارے میں قاضی عبدالحلیم اثرؔ افغانی کا خیال اور نظریہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں راقم الحروف کے نام ایک خط میں وہ جناب عقابؔ خٹک کی رائے سے یوں اختلاف کرتے ہیں:۔ "حضرت سید ابوبکر، اسمٰعیل، پیر عمر، میر علی کے متعلق اخوند درویزہ بابا نے جو کچھ لکھا ہے کتاب تحفۃ[18] المشائخ کے مؤلف خواجہ محمد زاہد نے اس پر جو بحث کی ہے وہ پڑھنے کی ہے۔ بدقسمتی سے خواجہ محمد زاہد کے بیان کو عزیزی عقابؔ خٹک نے اپنی ناسمجھی سے الجھا دیا ہے"۔

اس سے پہلے قاضی اثرؔ صاحب اپنے ایک مکتوب میں اخوند درویزہ کے بارے میں خواجہ محمد زاہدؒ کے اس بیان کی کہ "اخوند درویزہؒ نے اہل غرض کے کہنے پر بغیر تحقیق کے لکھا ہے"۔ توجیہہ یوں کرتے ہیں:۔

"حضرت غوث الخلائق قطب الارشاد قطب تکوین اخوند درویزہ کو یہ اطلاع فراہم کی گئی تھی کہ سید ابوبکر ابن اسمٰعیل اہل بدعت میں سے ہیں۔ التباس اسمٰعیل کے باپ کا نام نہ لکھنے سے پیدا ہوا۔ ایک دوسرے سید اسمٰعیل بھی اس زمانہ میں سید ابوبکر

کے والد سید اسمٰعیل ابن امیر علی المعروف گدائی کے ہمعصر تھے اور ان کا نام تھا اسمٰعیل ابن خلیل اللہ ابن سرمست۔ یہ اسمٰعیل ابن خلیل اللہ اہل تشیع میں سے تھا اور اس کا سلسلۂ نسب وادی کرم الحسینی کے موضع کرمان کے مشہور سید حضرت ابوالحسن فخر عالم تک پہنچتا ہے۔ آپ کو علم ہے کہ یہ خاندان اب بھی اہل تشیع سادات کا خاندان ہے اگرچہ اس کے مشاہیر سادات ماضی بعید میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کے پیروکار بھی رہے ہیں جیسے سید امیر علی ہمدانی عرف امیر کبیر شاہ ہمدانی وغیرہ۔ اب سید اسمٰعیل ابن خلیل اللہ کو اسمٰعیل ابن میر علی فرض کیا گیا اور باوجودیکہ سید اسمٰعیل ابن خلیل اللہ کا شجرہ نسب سید حسین الاصغر ابن امام علی زین العابدین تک پہنچتا ہے۔ اس اسمٰعیل ابن خلیل اللہ کو پیر منکہ ابن جنکہ کی نسل سے بنا دیا گیا۔ وجہ یہ کہ اس دوران میں جس میں سید اسمٰعیل ابن امیر علی۔ سید اسمٰعیل ابن خلیل اللہ زندہ تھے۔ اس زمانہ میں سید ابوسعید ابوالخیر الحسنی جن کا جغرافیائی نسبتی نام ہنگی ہے جو غزنی کے مضافات میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس ہنگی (مہنہ) کے نام سے موسوم سید ابوسعید ابوالخیر ہنگی کو منکہ جیو بنا دیا گیا اور تقریب یہ تھی کہ اس سید ہنگی الحسنی کی نسل میں سادات کا جو خاندان کوہاٹ میں آباد تھا اس میں بھی ایک سید کا نام اسمٰعیل تھا اور وہ اپنے جد امجد سید ابوسعید ہنگی کے نام کی مناسبت سے اسمٰعیل ہنگی کے نام سے یاد کئے جاتے تھے اور تب — (ا) سید اسمٰعیل ابن سید امیر علی گدائی کو (ب) سید اسمٰعیل ابن خلیل اللہ فرض کیا گیا (ج) اور تب اسمٰعیل ابن خلیل کو اسمٰعیل ہنگی کے نام سے گڈمڈ کر دیا گیا اور اس طرح تاریخ میں التباسات اور اشتباہات کا ایک گورکھ دھندا بنا دیا گیا۔ حضرت سید اسمٰعیل ہنگی الحسنی جو حضرت سید ابی سعید ابوالخیر الحسنی ہنگی کی نسل سے ہیں اور خود حضرت سید ابی سعید ہنگی حضرت سید علی الہجویری داتا گنج بخش کے چچازاد بھائی اور استاد اور شیخ ہیں

اس اسمٰعیل ہنگی کا مزار شہر کوہاٹ میں قلعہ کی فصیل سے جنوب مشرق کی طرف برلب سڑک واقع ہے۔ راقم الحروف عبدالحلیم اثر کو ان کا شرف نیاز حاصل ہے۔ یہ ہے ہنگی اور جنکی دونوں ناموں کی حقیقت۔ ہم نے اپنی تالیف حسنی سادات میں جو گیارہ ابواب، ایک دیباچہ اور ایک مقدمہ پر مشتمل ہے اس کے پہلے باب میں اس موضوع پر سید ابوسعید کے ذیلی عنوان کے تحت تفصیلی بحث کی ہے۔" (مکتوب عبدالحلیم اثر مورخہ ۲۱/۷/۷۳)

اخوند صاحب کے الزامات کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ پہلے تو ہمیں زدوانی قبیلے کا تعین کرنا ہے۔ یہ شاید زدران یا ځدران قبیلہ ہے جو کرلانی ہیں اور علاقہ خوست کے انتہائی جنوب میں آباد ہیں۔ بعد کے زمانے میں ملا شمس الدین نے اپنی تصنیف "مناقب فقیر صاحب" میں پیر سباکؒ اور ان کے اجداد کو "تذکرہ" کے حوالے سے خوگیانی اور رافضی لکھا ہے۔ خوگیانی ایک دوسرا قبیلہ ہے جو علاقہ خوست کے شمال میں جلال آباد تک پھیلا ہوا ہے۔ عقاب صاحب نے "حیات افغانی" کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابتدا میں سارا علاقہ خوست خوگیانیوں کے قبضے میں تھا۔ اب جب ہم پیر سباکؒ کے دادا شاہ اسمٰعیلؒ کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ (شاہ اسمٰعیلؒ) اپنے پیر کے حکم پر ملتان سے خوست تشریف لائے اور وہیں پڑبہہ قبیلے کے ایک ملک کی بیٹی سے شادی کی جو خوگیانیوں کی ایک شاخ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ اسمٰعیلؒ خود خوگیانی نہ تھے بلکہ خوگیانیوں میں آباد ہو گئے تھے۔ اب خوگیانیوں کے ملک یا سردار اس بارے میں کیا کہتے ہیں تو اس کے لئے ہمیں علاقہ خوست جانا ہوگا جو موجودہ سیاسی صورت حال میں ناممکن ہے۔

ویسے بھی ان سرداروں کو اخوند صاحب نے تارک صوم وصلوٰۃ اور دیگر منہیات کرنے والا لکھا ہے۔ نہ جانے انہوں نے خود ان کی شہادت پر کیسے اعتبار کر لیا۔

اب آتے ہیں اس مفروضہ کی طرف کہ پیر باکؒ کے اجداد شیعہ تھے۔ تو یہ بات بھی اخوند صاحبؒ سے منسوب کی گئی ہے۔ شمس الدین نے ان کی تصنیف تذکرہ کا حوالہ دیا ہے لیکن تذکرہ میں نہ تو ان کے اجداد کو خوگیانی کہا گیا ہے اور نہ ہی ان کو شیعہ مسلک سے وابستہ بتایا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اخوند صاحب نے سنی سنائی باتوں پر یقین کر لیا تھا۔ ویسے بھی وہ صحیح حوالے نہیں دیتے اور "سماع است" سے روایت کا آغاز کرتے ہیں اس کے برعکس شاہ اسمٰعیلؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو چار التماسات عرض کرتے ہیں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول فرماتے ہیں ان میں ایک درخواست یہ ہے کہ میری اولاد میں سے کوئی رافضی پیدا نہ ہو۔

اب آتے ہیں اخوند صاحب کے دیگر الزامات کی طرف کہ یہ بزرگ دف اور بانسری اور اس قسم کے دیگر آلاتِ ملاہی سنتے ہیں اور ان پر ناچتے ہیں اور اسے حلال سمجھتے ہیں۔

جہاں تک شاہ اسمٰعیلؒ، شاہ ابوبکرؒ اور پیر عمرؒ کا تعلق ہے تو ہم اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں رکھتے کہ ان کے معمولات کیا تھے۔ ہاں پیر باکؒ کے حالات میں ایک واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ جب کاکا صاحبؒ انہیں دیکھنے گئے تو وہ وجد میں آگئے۔ یہ روایت فقیر جمیل بیگ کی ہے جس کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔

اب یہ تینوں بزرگ طریقہ عالیہ سہروردیہ سے منسلک تھے لیکن اس کے ساتھ وجد، تواجد اور سماع کے بھی قائل تھے۔ عبدالحلیم بابا، کاکا صاحبؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ابتدائے حال میں آپ کبھی کبھی سماع سنتے تھے اور وجد کرتے تھے۔ آخر حال میں صرف نرمش الحانی بغیر از دف وغیرہ آلاتِ ملاہی بہت سنا کرتے تھے۔" نیز فقیر جمیل بیگ متعلق یہ بات ثابت ہے کہ وہ سازندوں کا ایک گروہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اب کاکا صاحبؒ اور پیر باکؒ کی ملاقاتیں اس وقت ہوئیں جب کاکا صاحبؒ کے ابتدائے حال کا زمانہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص واقعہ کا ذکر کاکا صاحبؒ نے اپنے خلیفہ فقیر جمیل بیگ سے اس لئے کیا کہ وہ طریقہ سہروردیہ کے بزرگوں کے احوال میں وجد اور سماع کی مثالیں دے رہے تھے۔

ایک انتہا پسند نظریہ یہ ہے کہ طریقہ سہروردیہ کے اکثر مشائخ سماع کے خلاف ہیں اور اگر اس طریقے کا کوئی پیروکار ناچ گانے کا ارتکاب کرے، ذکر جہر سے کام لے تو اس کے باطنی احوال سلب ہو جاتے ہیں وہ فقر کے جس مقام پر بھی ہو وہاں سے گر کر تباہ ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ عالیہ کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تالیف "عوارف المعارف" میں غناء کو مذاہبِ اربعہ کی رو سے حرام قرار دیا گیا ہے۔

میرے نام ایک خط میں مشہور عالم محمد جعفر شاہ پھلواری صاحب سلسلہ سہروردیہ میں وجد اور تواجد کے موضوع پر لکھتے ہیں:۔

"یہ درست نہیں کہ سلسلۂ سہروردیہ میں وجد و تواجد ممنوع ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں چشتیوں جیسا اہتمام سماع نہیں۔ اس کے لئے میری کتاب "اسلام اور موسیقی" ضرور دیکھئے۔

ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریاؒ، ان کے صاحبزادے رکن الدین زکریاؒ اور پوتے صدر الدین سہروردی ہی ہیں۔ عراق کے علاوہ صوبہ بہار، صوبہ بنگال اور چاٹگام وسلہٹ وغیرہ میں بکثرت یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور تقریباً یہ سب کے سب صاحب سماع و وجد ہیں۔ صوبۂ بہار کے پٹنہ، عظیم آباد ڈویژن میں ایک بہت مشہور جگہ ہے۔ "بہار شریف" جہاں مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ (صاحب مکتوبات صدی)

آرام فرما ہیں۔ یہ پورے صوبے کے قطب مانے جاتے ہیں اور آپ کی سہروردی خانقاہ کو ہنوز مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ سب کے سب صاحبِ وجد و سماع ہیں اور یہ تو آپکو علم ہی ہوگا کہ راگ ملتانی دھناسری کے موجد حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی ہیں۔

پھر یہ بھی سمجھنا صحیح نہیں کہ فلاں طریقے میں سماع و وجد نہیں۔ اس کا تعلق طریقے سے نہیں بلکہ طبعی ذوق سے ہے۔ جامی نقشبندی ہیں اور سماع کے رسیا ہیں۔ اہل پھلواری شریف قادری ہیں اور صاحبِ سماع و وجد ہیں۔ اس طرح سہروردیوں میں بے شمار حضرات صاحبِ سماع و تواجد ہیں۔"

محترم پھلواری صاحب کے اس فاضلانہ خط کے مندرجہ کے بعد اب ہم ان بزرگوں کا ذکر کریں گے جو طریقہ عالیہ سہروردیہ کے اکابر و مشائخ میں سے تھے لیکن وجد اور سماع کے بھی قائل تھے۔

حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی

یہ اکابر محدثین و محققین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ مدتوں مدرسہ نظامیہ بغداد کے پرنسپل رہے۔ روحانی دنیا میں سلسلہ شہابیہ سہروردیہ اور سلسلہ کبرویہ فردوسیہ کے سرخیل ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب "آداب المریدین" میں سماع بلکہ وجد و رقص پر بھی بحث کی ہے۔ اس کے خاص آداب و شرائط کے ساتھ آپ نے اسے مباح قرار دیا ہے۔ اور کتاب و سنت اور اقوالِ سلف سے اسے ثابت کیا ہے۔ پھر بعض مشائخ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ یہ اہلِ حقیقت و معرفت کے لئے مستحب ہے۔ اہلِ تقویٰ کے لئے صرف مباح ہے اور اہلِ نفس کے لئے مکروہ۔ تواجد و رقص کے ذکر میں حضرت جعفر طیار کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جو بیہقی اور ابوداؤد وغیرہ

نے روایت کیا ہے کہ حضور نے ان سے فرمایا کہ اشبھت خلقی و خُلقی (تم سیرت و صورت میں مجھ سے مشابہ ہو تو جعفر طیار حجل یعنی دور کرنے لگے۔

اس اباحت و استحباب کے باوجود آپ کے سلسلے میں بہت سے شیوخِ طریقت ایسے بھی گزرے ہیں جو سماع سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کے ذوق کے مطابق نہ تھا اور اس سے وہ کوئی روحانی فائدہ حاصل نہ کر سکتے تھے۔

حضرت نجم الدین کبریٰ

یہ شافعی محدث و فقیہہ ہیں۔ سہروردیہ کبرویہ طریقے کے سرخیل آپ ہیں۔ آپ مسند امام اعظم کے جامعین میں ہیں۔ اپنے وفورِ علم و تقویٰ کے باوجود صاحبِ سماع و وجد تھے آپ کو پہلا روحانی فیض عین حالتِ سماع ہی میں حاصل ہوا تھا۔

شیخ بدر الدین سمرقندی

یہ بھی سلسلہ کبرویہ کے اکابر علمائے حنفیہ میں سے ہیں۔ یہ بھی صاحبِ سماع و وجد تھے اور چنگ سنتے تھے۔

شیخ سیف الدین باخرزی

یہ شیخ بدر الدین سمرقندی کے مرشد اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ یہ بھی مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت معین الدین چشتی کے بارے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں کہ آپ کی محفل میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ محمد کرمانی، شیخ محمد صفاہانی، شیخ برہان الدین چشتی اور مولانا بہاء الدین وغیرہ بہت سے مشائخ کبار شریک ہوتے تھے۔ خواجہ غریب نواز کا قول ہے کہ سماع اسرارِ حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

جہاں تک امام اعظمؒ کا سماع کو ابتلاء کہنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء کا ایک واقعہ درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حضرت نظام الدین اولیاء صاحبِ سماع ہی نہ تھے صاحبِ رقص و وجد بھی تھے۔ ایک بار آپ کو عدالت کے کٹہرے میں بلایا گیا کہ جوازِ سماع کو ثابت کریں۔ آپ نے صحاح و سنن کی چند احادیث پیش کیں۔ اس پر قاضی نے کہا کہ آپ تو حنفی ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا قول پیش کیجئے۔ اس پر آپ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ اس قوم پر کیوں نہ خدا کا عذاب آئے جس کے سامنے میں حدیث پیش کرتا ہوں اور وہ ابو حنیفہ کا قول مانگتی ہے۔

ہندوستان میں شیخ بہاؤالدین زکریا سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے بانی تھے۔ آپ سے قبل خانوادہ چشت کا اس قدر غلبہ تھا کہ جو بزرگ بھی اس ملک میں وارد ہوئے اسی رنگ میں رنگ گئے مگر آپ نے اپنی منفرد حیثیت کو قائم رکھا۔

آپ کو اتباع سنت کا بڑا خیال رہتا تھا مگر سماع سے کسی قدر دلچسپی رکھتے تھے (تاریخ پاک و ہند از ایم اے قدوس) شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔ "سماع اہلِ حق کے لئے مستحب، اہلِ زہد کے لئے مباح اور اہلِ نفس کے لئے مکروہ ہے۔"

غناء اور مزامیر کے متعلق اکابر امت کی مختلف رائیں ہیں جن کو شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکیؒ (جو ساتویں صدی میں قاضی القضاۃ مصر و شام رہے ہیں۔ امام ابنِ تیمیہ کے معاصر ہیں) نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے بلیغ اشعار میں بیان فرمایا ہے۔

(ترجمہ) اور یہ سمجھ لو کہ تم نے جس آواز (گانے) دف اور رقص کے متعلق دریافت کیا ہے اس میں ہم سے پہلے کے آئمہ کے درمیان اختلاف رہا ہے اور وہ

سب اپنی جگہ شمع ہدایت اور سرداروں کے سردار ہیں۔

اور عارف مشتاق کو اگر اس کا وجد جھنجوڑ دے اور وہ اس بےخودی میں گردش کرنے لگے تو وہ قابلِ ملامت نہیں ہوتا بلکہ اس کا کیف قابلِ تعریف ہوتا ہے۔ خوشا وہ لذتِ روحانی جو اسے حاصل ہوتی ہے۔

اگر تمہیں کسی دن یہ کیف و لذت حاصل ہو جائے تو سمجھ لو کہ تم نے ایک بڑا مقصد پالیا ہے اور اس معاملے میں فقیہوں کے فتوے سے بے نیاز ہو گئے۔

علی سبکی کی طرف سے جو خود بہت سے پردوں کے نیچے دبا اور حسرت کا مارا ہوا ہے بس اتنا ہی جواب ہے تمہارے سوال کا۔

سماع اے برادر بگویم کہ چیست؟ — مگر مستمع را بدانم کہ کیست؟
گر از برج معنی بود سیرِ او — فرشتہ فرو ماند از سیرِ او
اگر مرد لہو است و بازی و لاغ — قوی تر شود دیوش اندر دماغ

اب آتے ہیں اخوند صاحبؒ کے اس الزام کے بارے میں کہ "غیب کا علم بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو نوازا اور فلاں آدمی کو معزول کر دیا اور فلاں کو ہم نے گزند پہنچایا۔ ان کے کفر سے خدا کی امان۔

تو غیب کی باتیں اخوند صاحب خود زیادہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے پیر بابا نے انہیں خلیفہ بنانے میں تامل سے کام لیا۔ مشہور شاعر و ادیب امیر حمزہ شنواری چشتی نظامی نیازی مدظلہ العالی اپنی تصنیف "تذکرہ ستاریہ" میں حضرت شیخ علی ترمذی قدس سرہ کے سلسلے کی ابتری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "سلسلے کی ابتری کا سبب اخوند درویزہ ثابت ہوئے۔ بات یہ تھی کہ جس وقت ملا زنگی نے اخوند درویزہ کو حضرت

پیر بابا قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو ساتھ ہی یہ سفارش بھی کردی کہ ۔
" براہِ کرم اس کو اپنا مرید بنالیں دو وجوہات کی بنا پر۔ اولاً یہ کہ اخوند درویزہ ملّا ہے اور ثانیاً یہ کہ اس کام کا شوق بھی رکھتا ہے"۔ ملّا زنگی نے یہ گذارش بھی کی تھی کہ " ویسے تو میرے شاگردوں میں اخوند درویزہ سب سے زیادہ لائق ہے لیکن اس میں ایک نقص بھی ہے اور وہ یہ کہ پیشین گوئیاں کرتا رہتا ہے"۔ اس آخری جملے کو سماعت فرماکر حضرت پیر بابا قدس سرہٗ کے چہرہ مبارک سے ناراضگی کا اظہار ہونے لگا اور ارشاد فرمایا" میں ایسے شخص کو بیعت نہیں کرتا جو پیشین گوئیاں کرکے اپنے آپ کو عالم الغیب ثابت کرتا پھرے۔ لہٰذا اس ملّا کو قسمت آزمائی کے لئے کہیں اور چلا جانا چاہئے"۔ تھوڑا سا وقفہ گزرنے کے بعد پیر بابا قدس سرہٗ متبسم ہوئے اور ارشاد فرمایا " ہاں کیوں نہ ہو، پختون لوگ ایسے پیر کو کب مانیں گے جب تک وہ پیشین گوئیاں نہ کرے"۔ ملّا زنگی دوبارہ عرض پرداز ہوا " حضرت! ملّا درویزہ سے میں وعدہ لیتا ہوں کہ وہ آئندہ ایسا نہ کرے گا۔ حضرت پیر بابا قدس سرہٗ نے یہ سماعت فرماکر ارشاد فرمایا کہ" البتہ اس شرط پر میں اسے بیعت کرلوں گا"۔ غرضیکہ اس کے بعد بیعت کی اجازت مرحمت ہوئی مگر اخوند درویزہ نہ صرف یہ کہ بدستور پیشینگوئیاں کرتے رہے بلکہ ستم بالائے ستم یہ کہ بات بات پر اپنے مرشد کو ٹوکتے۔ اور تو اور حضرت پیر بابا قدس سرہٗ کے سامنے تین خلفائے راشدہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کچھ اس پیرائے میں کرتے جس سے واضح طور پر امام الائمہ حضرت علی شیرِ خدا علیہ السلام کی توہین اور تحقیر ثابت ہوتی۔ حضرت پیر بابا قدس سرہٗ کو اخوند درویزہ کے فعل سے کوفت ہوتی۔ باوجودیکہ وہ سنی الحنفی عقیدہ رکھتے تھے اور اگرچہ سنی عقیدہ کی رُو سے حضرت شیرِ خدا

علیہ السلام کا چوتھا درجہ تسلیم شدہ ہے لیکن اخوند درویزہ نے ایسا رویہ اختیار کیا تھا کہ اپنی تقریروں میں حضرت علی اسد اللہ الغالب علیہ السلام کو چوتھے درجے سے بھی گراکر اوربھی کم ثابت کرتے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ناصبین کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت پیر بابا قدس سرہٗ نے ان کی تکمیل سے دامن تہی فرمالیا۔ اس طرح اخوند درویزہ حد تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔ اور ان کے بعد سارا سلسلہ ختم ہوگیا"۔

نابغۂ افغان حکیم ملّتِ افغانیاں خوشحال خان خٹک نے شاید اخوند درویزہ کے مکتبِ فکر کے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے ؎

نے چہ داھر شی وائی عذاب دے ۔۔۔ غیبت چہ کا ندے بارے ثواب دے
غیبت زنا نہ بدتر یا دینری ۔۔۔ نے منع شوئے پہ کوم کتاب دے

(ترجمہ) کہتے ہیں کہ بانسری کا بجانا باعثِ عذاب ہے۔ یہ جو غیبت کرتے ہیں شاید ان کی نظر میں یہ ثواب کا کام ہے۔ غیبت کو زنا سے بدتر عمل کہا گیا ہے لیکن بانسری بجانا کسی کتاب کی رُو سے ممنوع ہے۔

اب پیر بابا کی سید ہیں یا نہیں اس کا علم تو خداوند پاک کی بزرگ و برتر ہستی کو ہوگا لیکن آج تک کسی بھی محقق نے ان کو غیر سید نہیں لکھا۔ یہاں تک کہ عقاب خٹک جیسے بال کی کھال اتارنے والے مورخ و محقق نے بھی متفقہ شہادت کی رُو سے پیر سباکؒ کو بخاری سید لکھا ہے۔

قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ تم کس کی اولاد ہو بلکہ نجات کا دارو مدار اعمال صالحہ پر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کرنے کی توفیق

دے اور حسب نسب پر بے جا فخر کرنے سے بچائے۔ آمین۔

جہاں تک اخوند درویزہؒ کا تعلق ہے انہوں نے دین کی بے حد خدمت فرمائی ہے لیکن شریعتِ مقدسہ کی بے حد پابندی کے باوجود سطحی باتوں میں الجھ کر رہ گئے۔ اور حنفی العقیدہ ہونے کے باوجود بعض معاملات میں ان کا نظریہ ناصبیوں سے ملتا ہے۔ خوشحال خان ان کی کتاب "مخزن" اور اہلِ بیت سے ان کی پرخاش کے بارے میں لکھتے ہیں :-

یوہ کتاب دے درویزہ سرہ جوړ کړے - چہ دسوات خلق ئے لہ کل علمہ دے موړ کړے
نامعقول مجہول بیان پکښں بیجا یہ - پہ کښں بد د سید وایہ یزید ستا یہ

(ترجمہ) درویزہ کی بنائی ہوئی اس کتاب نے اہلِ سوات کو جملہ علوم سے دل برداشتہ کر دیا ہے۔ اس کا بیان نامناسب، جاہلانہ اور بے محل ہے۔ اس میں سادات کی ہجو اور یزید کی مدح درج ہے۔

ہمارے ایک بزرگ جناب محمود حسین شاہ، تحصیل بھکر، ضلع میانوالی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنے پیرِ طریقت جناب علامہ الحاج سید محمود شاہ صاحب محدث ہزاروی خانقاہ محبوب آباد شریف، حویلیاں، ضلع ہزارہ سے اخوند درویزہؒ کے ان الزامات کے بارے میں پوچھا تو علامہ صاحب نے فرمایا۔ "اخوند درویزہ کا اسے بڑا بھلا کہنا ہی اس خاندان کی سیادت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

سلسلۂ اولاد و احفاد

پیر سباکؒ کے تین بیٹے تھے :-

(۱) پیر فریدالدین۔ (۲) پیر حاجی رکن الدین۔ (۳) پیر رحیم الدین۔

بعض شجروں میں رحیم الدین کی بجائے شہاب الدین نام لکھا ہوا ہے۔ تاریخ مرصع میں بھی شہاب الدین کو پیر سباکؒ کا بیٹا لکھا گیا ہے لیکن صحیح تحقیق یہ ہے کہ شہاب الدین، پیر فریدالدین کے فرزند اور پیر سباکؒ کے پوتے تھے۔

پیر فریدالدینؒ

آپ پیر سباکؒ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۰۲۵ھ میں گدی نشین ہوئے۔ قاضی عبدالحلیم اثر صاحب ان کے سلسلہائے طریقت کے متعلق لکھتے ہیں " فریدالدین نور محمد ابن ناصرالدین محمود پیر سباکؒ نے سلسلہ نقشبندیہ میں سیدالسادات خواجہ بزرگ سید آدم بنوری سے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مولانا اخوند پنجو بابا اور سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت کی تھی" اثر صاحب نے سلسلہ عالیہ قادریہ میں پیر فریدالدین کو سید سلیمان گیلانی کا مرید بتایا ہے۔ اسی طرح ان کا سن وفات ۱۰۵۹ھ بمطابق ۱۶۴۹ء متعین کیا ہے۔

حضرت سید فریدالدین نور محمد قدس سرہٗ اپنے والد بزرگوار حضرت سید ناصرالدین محمود قدس سرہٗ سے سلسلہ سہروردیہ میں اور حضرت شیخ سید آدم بنوری قدس سرہٗ سے سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں اور حضرت شیخ عبدالوہاب اخون پنجو بابا قدس سرہٗ سے سلسلہ چشتیہ میں اور حضرت سید سلیمان گیلانی اور ان کے فرزند حضرت سید یونس گیلانی قدس سرہما (ان دو بزرگوں کے مزارات خادہ تحصیل وضلع مردان میں ہیں) سے سلسلہ قادریہ میں مجاز طریقت ہوئے۔ غرض یہ کہ آپ سلاسل طریقت قادریہ، نقشبندیہ۔ مجددیہ اور چشتیہ، صابریہ اور سہروردیہ

پیر فریدالدینؒ کا مزار اقدس نوشہرہ سے راولپنڈی جانے والی سڑک کے کنارے موضع سرڈھیری کٹی خیل کے قبرستان میں واقع ہے۔ اس مزار کی مرمت کچھ عرصہ قبل سید نعیم شاہ نے کی ہے۔

پیر فرید الدین کے چار فرزند تھے : عبدالعزیز[۱] - عبدالغنی[۲] - نظام الدین[۳] - زین الدین[۴]
بعض محرروں میں ان کے بیٹوں کے نام اور ترتیب یوں ہے :- زین الدین[۱]-
شہاب الدین[۲]- عظیم الدین[۳]- عبدالعزیز[۴]-

شہر صفا ان ہی نے آباد کیا اور اسے موضع پیر سباک کے نام سے موسوم فرمایا
حکومتِ وقت کی طرف سے پیر فرید الدینؒ کو جو قبالہ عطا کیا گیا ہے اس کی عبارت
یوں ہے :-

(ترجمہ) متصدیاں دعات اور متعلقینِ کالپانی جان لیں کہ چونکہ مشیخت اور
سیادت پناہ شیخ فرید الدین ولد پیر سباکؒ واجب الرعایت ہیں - مشارٌ علیہ
حکام جان لیں کہ موضع شہر صفا جو کہ ویران ہے اور اس وقت مشارٌ علیہ اسے آباد
کرنا چاہتا ہے اس کو ابتدائے فصل ربیعہ لوی ملمہ ۱۰۲۵ھ سے بموجب پروانہ
خانِ دوران ہم نے مرحمت فرمایا - چاہئے کہ موضع مذکور کو معاف اور مرفوع القلم
سمجھ کر اس کے سب تصرفات سے چھوڑ دیں - کسی وجہ سے بھی اخراجات اور تکلیفات
دیوانی سے مزاحمت نہ پہنچائیں - تاکہ اس کی حاصلات کو اپنے گزارے کے لئے خرچ
کر کے سلطنت کے دوام کی دعاگوئی میں مشغول رہے ....

تحریر بتاریخ ۱۷ ماہ رجب ۱۳۱۱ھ (۱۳ ر جلوس)

اس قبالے میں سب سے اہم نام " خانِ دوران " کا ہے - ہم کوشش
کرینگے کہ " خانِ دوران " کے واسطے سے پیر فرید الدین کے زمانے کا صحیح تعین کریں -

خانِ دوران

مغلیہ دور میں مختلف نام اور عہدوں کے منصبداروں کو یہ خطاب
دیا گیا - ماثر الامراء میں صفحہ ۷۴۹ (جلد اوّل) میں خانِ دوران
نصرت جنگ کے احوال میں لکھا ہے " اس کا نام خواجہ صابر اور وہ خواجہ حصاری

نقشبندی کا لڑکا ہے - جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں اس کو منصب ملا اور دکن
میں تعینات ہوا -

جب شاہجہان اپنے بیٹے اورنگ سے ناراض ہوا تو بادشاہ نے دکن کا نظام
نصرت جنگ کے سپرد کر دیا جو مالوہ کا حاکم تھا اور ہفت ہزاری ذات اور سات ہزار
سوار کا منصب اور ایک لاکھ نقد دے کر سرفراز کیا - یہ ہندوستان کی ملازمت کا
سب سے بڑا اعزاز تھا - ۲۱-۶-۱۶۴۵ میں وفات پا گئے اور گوالیار میں اپنے
آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا -

تاریخ مرصع میں صفحہ ۲۶۴ پر خانِ دوران کو کابل کا صوبیدار لکھا گیا ہے
جو مرزا حکیم کی وفات (۹۹۳ھ بمطابق جولائی ۱۵۸۵ء) کے بعد صوبیدارِ کابل بنا -
بعد میں صفحہ ۲۵۲ پر " جہانگیر نامہ " کے حوالے سے لکھا گیا ہے :" جہانگیر کے
جلوس کے چھٹے سال یعنی ۱۰۲۰ھ میں جب احداد کا واقعہ پیش آیا تو خانِ دوران
اپنے بہت سے سپاہیوں سمیت اس وقت ننگرہار اور بنگش کی حدود میں تھا "-
اب جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جہانگیر اپنی تخت نشینی سے دو سال قبل
زمانہ شہزادگی میں غالباً مارچ ۱۶۰۳ء مطابق ۱۰۱۲ھ میں ہندوستان سے کابل جاتے
ہوئے اس طرف سے گزرا - اس نے نوشہرہ میں قیام کیا - جاگیر دینے کا یہ واقعہ بھی
اغلباً اسی سال واقع ہوا ہوگا - اس طرح مثلِ حقیقت پیر سباک اور قصۃ المشائخ
کے بیانوں میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے -

پیر حاجی رکن الدینؒ

پیر سباکؒ کے دوسرے فرزند تھے - ان کی اولاد
" حاجی خیل " کہلاتی ہے - ان کی اولاد کی ایک

شاخ موضع لنگر تحصیل فتح جنگ ضلع اٹک میں "حویلی پیراں" کے نام سے مشہور ہے۔
حاجی رکن الدین کے مزار کا علم اب تک مجھے نہ ہو سکا۔ اثر صاحب یہ نام رکن الدین یار محمد لکھتے ہیں۔

رحیم الدین

پیر سباکؒ کے تیسرے فرزند تھے۔ ان کی اولاد رحیم الدین خیل کے نام سے موضع پیر سباک میں موجود ہے۔ محترم اثر صاحب نے ان کا نام محمد احمد شاہ اور لقب رحیم الدین لکھا ہے اور مزار مبارک یو۔پی (ہندوستان) میں بتاتے ہیں۔

ان کے مزار کا بھی اب تک مجھے پتہ نہیں لگ سکا۔ البتہ ان کے ایک پڑپوتے معظم شاہ ابن فاضل شاہ ابن صلاح الدین ابن رحیم الدین رام پور ہندوستان میں بسلسلہ ملازمت رہ چکے ہیں۔

شہاب الدین

تاریخ مرصع میں ان کو پیر سباکؒ کا بیٹا لکھا گیا ہے بعض شجروں میں بھی یہی مذکور ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کو تاریخ مرصع میں "مرد دلارے" یعنی سیدھے راستے پر چلنے والا" لکھا گیا ہے اور جنہوں نے شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ کے نام ایک پیغام بھیجا تھا۔ اس کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو عنوان بہادر خان بابا المعروف ایک صاحبؒ اور کاکاخیل خاندان)

مناقب زین الدین میں پیر فرید الدین کے چار بیٹے ذکر کئے گئے ہیں:۔
(۱) عبدالعزیز (۲) شاہ عظیم الدین (۳) شہاب الدین (۴) پیر زین الدین علیہم الرحمۃ۔
چاروں فرزند شریعت مقدسہ کے پابند تھے۔ صراط مستقیم پر چلنے والے تھے لیکن

ان سب میں پیر زین الدین علوم ظاہری و باطنی میں امام عصر اور مقتدائے وقت تھے۔ قطب الاقطاب شیخ سعدی لاہوری کے مرید تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ ان کی تصنیفات میں "بضعۃ الاربعین" آج دستیاب ہے جو مسائل علم کلام اور اخلاق پر مشتمل ہے۔ پیر زین الدینؒ خارق عادات کے بھی مالک تھے۔ ان کے مناقب ان کے مریدوں نے لکھے ہیں فضل حسین ولد عبدالصمدانی نے نثر میں اور خواجہ ملنگ نے نظم میں ان کے اور ان کے آباواجداد کے اخلاقِ کریمہ اور اوصافِ حمیدہ کا ذکر کیا ہے۔

مناقب زین الدینؒ کے بارے میں جناب سرفراز خان عقاب خٹک کا بیان ہے:۔ " اس سخت کمیاب فارسی قلمی کتاب میں فضل حسین (ولد عبدالصمدانی) نے کتاب مسمی "بضعۃ الاربعین" کے مصنف پیر زین الدین پیر سباکی کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ اس کتاب کے بعد ص ص ۱۲۴-۲۲۱ نثر میں اور ص ص ۲۳۸-۲۶۴ نظم میں لکھے گئے ہیں۔ بیچ کے ص ص ۲۲۲-۲۲۸ پر کتاب قصۃ المشائخ کے کچھ صفحات نقل کئے گئے ہیں اور ص ۲۲۸ سے ص ۲۳۵ تک پھر مناقب ہیں۔ اس کتاب میں زین الدین کے آباواجداد اور پیر سباکؒ کے مریدوں کے حالات کتاب قصۃ المشائخ اور مناقب شیخ جی صاحب مصنفہ شیخ عبدالحلیم وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ ص ص ۱۸۴-۲۳۷ کی عبارتیں غلط اور نامکمل ہیں۔ نظم کا حصہ لکھنے والا دو جگہ اپنے آپ کو ملنگ کہتا ہے۔

مناقب زین الدین اور اس کا منظوم حصہ بھی ۱۱۴۶ھ کے بعد لکھے گئے ہیں کیونکہ ان میں جو شجرہ دیا گیا ہے وہ محمد معصوم سے شروع ہوتا ہے۔ بنا بریں

ہوتا ہے کہ ہم یہاں پر اس کتاب کے مصنف فضل حسین ولد عبدالصمدانی اور حصۂ نظم کے مصنف خواجہ ملنگ کے حالات بیان کریں۔ یہ تحقیق بھی عبدالحلیم اثرؔ افغانی صاحب کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"افغان علماء و مشائخ کا ایک خاندان ہے جن کے مورثِ اعلیٰ کا نام خواجہ عبداللہ ہے۔ ان میں ایک عالم کا نام عبدالکریم ملاخیل (ابن عبدالجبار ابن محمد اکبر ابن عبدالکریم ابن محمد عمر ابن خواجہ عبداللہ) اس عبدالکریم کے آٹھ فرزند تھے محمد شمیم۔ محمد صدیق۔ وفا محمد۔ وغیرہ.....

ان میں سے سب سے بڑے بھائی محمد شمیم کے تین فرزند تھے۔ عبدالستار۔ محمد حسام۔ عبدالغفار (اس عبدالغفار کی اولاد نے ہندوستان میں ریاست جاہدہ کے نام سے ایک ریاست بنائی تھی) عبدالستار ابن محمد شمیم کے فرزند کا نام تھا اخوند عبدالکریم جن کی اولاد اخوند خیل کہلاتی ہے۔ اس کے چودہ فرزند تھے۔ عبدالہادی[1]۔ عبدالمجید[2]۔ محمد حجی[3]۔ فخرالدین[4]۔ محمد گل[5]۔ ضیاءالدین[6]۔ محمد سعید[7]۔ عبدالمطلب[8]۔ کالا[9]۔ فضل احمد[10]۔ ملنگ[11]۔ محمد خطاب[12]۔ نور احمد[13]۔ غلام رسول[14]۔ ان میں سے گیارہواں فرزند ملنگ وہی بزرگ اور جلیل القدر عالم اور ادیب ہیں جن کے اشعار "مناقب زین الدین" کے مؤلف فضل حسین ولد عبدالصمد نے درج کئے ہیں۔ فضل حسین اور ملنگ کا رشتہ یہ ہے:۔

عبدالکریم ملاخیل[1] ← محمد شمیم[2]۔ عبدالستار[3]۔ اخوند عبدالکریم[4]۔ ملنگ[5]۔
← محمد صدیق[2]۔ ساقی محمد[3]۔ محمد غلام[4]۔ عبدالصمد[5]۔ فضل حسین[6]۔

اس اعتبار سے ملنگ چچا ہے اور فضل حسین بھتیجا اور ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۳ء میں فضل حسین نے اپنے چچا ملنگ کے وہ اشعار جو سید زین الدین پیر بابا کی کے

مناقب میں تھے اپنی تالیف میں درج کئے ہیں۔ اس خاندان میں اخوند عبدالکریم نے سید زین الدین سے فیض حاصل کیا تھا۔ اور اس روحانی تعلق کی بناء پر خواجہ خیل خاندان کے ان ممتاز افراد نے سید زین الدین سے اپنی عقیدت کا اظہار کر دیا تھا حضرت مولانا خواجہ ملنگؒ کا ایک ہی فرزند تھا: مختار احمد۔ وہ ریاست ٹونک میں جاکر آباد ہو گئے تھے۔ راقم الحروف کو انکی اولاد کا علم نہیں ہے۔ غالباً ریاست ٹونک کے مشہور عالم مولانا برکات احمد ٹونکی اسی خاندان میں سے تھے۔

آپ نے فضل حسین ولد عبدالصمدانی لکھا ہے۔ یہ نام عبدالصمد ہے۔ ان کے بڑے بھائی کا نام مولانا عبدالسلام تھا جو ضلع ہزارہ کے موضع ترنا میں سکونت پذیر تھے اور جن کی نسل باقی ہے۔ فضل حسین کے والد مولانا صاحبزادہ عبدالصمد کے پشتو اشعار ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بابا مہمند سڑبن کے ہم درس اور رفیق تھے۔ رفاقت کی وضاحت بڑی تفصیل چاہتی ہے۔

اس خواجہ خیل خاندان میں بے شمار علماء، مشائخ، ادیب اور پشتو زبان کے شیوا بیان شاعر ہو گزرے ہیں۔ صاحبزادہ محمد صدیق جنہوں نے خان کاچو کی تالیف کا فارسی ترجمہ کیا ہے۔ انکے بھائی محمد وفا کا پشتو کلام بلاغت نظام راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

نه عاشق نه یې چه ماست په ځای یغم یې۔ عاشقي خو په میدان کښې سربازي ده
چه یو یاد دَ بل په بوږي ګذرنه کا — دغه وار په دنیا کښې بې نیازي ده
یو ساعت دَے په عاشق باندې جو پرکاله — د هجران دَ عمر هسې درازي ده
عاشقي ده په دوه قسمه ځما یاره — وسیله د حقیقت ته مجازي ده

..... خواجہ خیلی خاندان کی غالب اکثریت آج کل ضلع ہزارہ میں قبیلہ سواتی کے لوگوں کے ساتھ آباد ہے اور اب بھی بشتر کہ خواجہ خیلی خاندان کے کچھ ذیلی شاخیں سم داتی زائے علاقہ سوات اور اس سے ملحقہ علاقے باجوڑ میں آباد ہیں۔"

گنج علوم پیر زین الدینؒ

آپ پیر فرید الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے والد محترم کی وفات کے بعد مسند ارشاد کے وارث ہوئے کیونکہ اپنے سب بھائیوں سے فائق تھے۔ عقل و فکر میں انتہائی ذکی تھے۔ فصیح اور بلیغ زبان تھے۔ علم کی ابتدا جامع فضائل و کمالات حضرت مولانا اخوند چالاک (سالاکؒ) سے کی۔ اور حقائق و معارف آگاہ مولانا یونس افلاکؒ ساکن تورو کے ہاں اپنے علم کی تکمیل فرمائی۔ طریقت و سلوک کے منازل زبدۃ العارفین حضرت مولانا شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بابرکت میں طے کئے۔

صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ علم کلام و اخلاق پر "بضعۃ الاربعین" کے نام سے ایک فارسی کتاب لکھی۔ یہ کتاب انہوں نے اپنے پیر و مرشد شیخ سعدی لاہوریؒ کے اشارے اور دعوت پر لکھی۔ اس کتاب کے نو باب ہیں۔ ہر باب میں پانچ حدیثیں بمعہ شرح کے بیان کی گئی ہیں۔ کتاب کا خاتمہ دو حدیثوں پر مشتمل ہے جن میں اہل بیت کرام کے ساتھ نیک برتاؤ اور محبت کی فضیلت کا ذکر ہے۔ کتاب کا سبب تصنیف مصنف کے اپنے الفاظ میں یوں ہے :۔

(ترجمہ) حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے چالیس حدیثیں اچھی طرح یاد کیں اور دینی فائدے کی خاطر میری امت کو پہنچائیں، قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو فقہاء کی جماعت سے اٹھائے گا۔ اور میں اس کی شفاعت

کروں گا۔ اور ان کی فرمانبرداری پر گواہی دوں گا۔ احقر الانام زین الدین (جو تمام مخلوق میں سب سے عاجز اور کمتر ہے) نے جب یہ حدیث دیکھی تو پھر میں نے کچھ اوپر چالیس حدیثوں کو جمع کیا اور کچھ اوپر چالیس کتابوں کے ساتھ ترتیب دیا۔ بضع تین سے لے کر نو تک عدد کے درمیان پوشیدہ ہے۔ یہ مختصر اور بہت سے معنوں کا جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس شرف و مرتبے تک مجھے پہنچائے گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت و شہادت کا درجہ ہے کیونکہ وہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتے، انبیاء کرام اور مومنین اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ان کی وعدہ خلافی کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ ان پر درود و سلام ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہیں اور ان کے بغیر ہر چیز طلب رحمت ہے۔" بضعۃ الاربعین کا ایک خوشخط قلمی نسخہ پیر یونس شاہ ساکن کشرکی میانوالی کے پاس موجود ہے۔

پیر زین الدین نے علم تصوف اور سلوک کے بارے میں بھی ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جس میں طریقت و حقیقت اور معرفت کے عجیب و نادر واقعات درج تھے۔ نیز اپنے سیر و سلوک کے مقامات و مراتب کے بارے میں تفصیل لکھی ہے۔ یہ رسالہ میری نظر سے ابھی تک نہیں گزرا۔

پیر زین الدین ہی نے موضع بٹ الغریب یا پیران کی بنیاد ڈالی۔ صاحب "مناقب زین الدین" اس بارے میں یوں لکھتے ہیں :۔

"جب اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے محبت اور جذبۂ الٰہی نے ان کے دل میں جگہ پائی تو دن رات عبادت، ریاضت اور مجاہدے میں مشغول ہوگئے۔ بال برابر بھی شریعت پاک اور سنت بیضاء کے راستے سے باہر قدم نہ رکھتے تھے۔ عام لوگوں کے

اژدہام سے متنفر ہو گئے۔ ان کی طبیعت خلوت اور گوشہ نشینی کی طرف مائل تھی۔ اس وجہ سے اپنے خویش و اقارب سے تعلق توڑ کر سفر اور غربت کا راستہ اختیار کیا۔ اپنے چند خلفاء کے ساتھ پیر سباک سے روانہ ہوئے۔ اور پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ کو اپنی طبیعت کے موافق پایا۔ وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ کچھ گھر اپنے خلفاء کے لئے تعمیر کئے۔ اس جگہ کا نام "بیت الغریب" رکھا یعنی مسافروں کی جگہ۔ اپنے لئے وہاں ایک خلوت خانہ بنا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ وفات تک وہاں مقیم رہے اور وہیں پہ دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

کہتے ہیں جب آنحضرت کے تشرفِ اقامت سے وہ گاؤں مشرف ہوا تو اس گاؤں میں مزید آبادیاں بننی شروع ہوئیں۔ لوگ آنحضرت کے سایۂ عنایت کو غنیمت سمجھتے تھے اور ان کی ہمسائیگی میں رہنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصے میں آنحضرت کے تصرف و برکت سے وہ جگہ آباد و معمور ہو گئی اور سلاطین و خوانین کو متوجہ کیا۔ بہت سے لوگ دینی و دنیاوی حاجات کو پورا کرنے کیلئے وہاں آیا جایا کرتے لگے۔

"مناقب زین الدین" کے مصنف نے ان کی علمیت اور پرہیزگاری کی بڑی تعریف کی ہے۔ لکھا ہے: "عام لوگ ان کو مجتہدِ وقت سمجھتے تھے۔ بڑے سے بڑے مجمع کے سامنے ایک مسئلہ پہ یہاں تک بولتے کہ کسی کو انکار کی طاقت نہ رہتی تھی۔" پیر صاحب کے سب سے بڑے مخالف ملا شمس الدین نے بھی ان کے علم ظاہری کی فراوانی کا اعتراف کیا ہے۔

آپ اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ اپنے سخت ترین مخالف کو بھی برے الفاظ سے یاد نہ کیا۔ ایک بار آپ کی مجلس میں ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ کے مخالف آپ کی شان میں ایسا اور ویسا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم

سے مجھے شریعت پر استقامت عطا فرمائی ہے۔ جو لوگ میری غیبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمریں دراز کرے۔" مصنفِ مناقب لکھتے ہیں کہ پیر صاحب کی یہ دعا اپنے مخالفین کے حق میں اپنے اسلاف و مشائخ کے طریق و تابعداری میں تھی جیسے کہ امام غزالی رح منہاج العابدین میں لکھتے ہیں کہ ابو سعیدؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی تیری غیبت کرتا ہے۔ ابو سعیدؒ نے کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھال اس کے پاس بھیجا اور فرمایا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم اپنی نیکیاں مجھے بطورِ تحفہ بھیجتے ہو، میں نے اس کے بدلے میں کھجوروں کا یہ ہدیہ بھیج دیا۔"

پیر زین الدین موضع بیت الغریب میں دفن ہیں۔ وہاں مغل طرز تعمیر کی بنی ہوئی ایک عمارت ہے جس کی دیواریں مغل طرز کی چھوٹی اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں۔ عمارت کے اندر چار قبریں ہیں۔ ان میں سے مشرق کی طرف سے تیسری قبر جس پہ جھنڈا لگا رہتا ہے پیر زین الدین کی قبر ہے۔ باقی تین قبریں ان کے بھائیوں کی ہیں۔ عمارت کے اوپر کوئی چھت نہیں ہے۔ حالانکہ عمارت کے شمال مغربی کونے میں چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا ایک زینہ اب بھی موجود ہے۔ چھت نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔

"جب حضرت زین الدینؒ دار فانی سے دار باقی اور دار فریب سے دار خوشحالی کی طرف رحلت فرما گئے تو ان کے بیٹوں نے ان کی قبر مبارک پر روضہ اور گنبد تعمیر کرنا چاہا۔ قبر کے ارد گرد اونچی دیوار تعمیر کی۔ جب مزار کا گنبد تعمیر کرنے کا مرحلہ آیا تو باوجود کوشش کے نہ بن سکا اور گر جاتا تھا۔ بیٹے بڑے فکرمند ہوئے۔ ایک رات اپنے والدِ محترم پیر زین الدینؒ کو خواب میں دیکھا۔ جنہوں نے فرمایا: "مجھ سے بارانِ رحمت کو نہ روکو" بیٹے سمجھ گئے اور گنبد کی چھت بنوانے سے ہاتھ روک لئے۔ اس طرح روضہ مبارک نامکمل رہ گیا۔"

زبدۃ العارفین شیخ المشائخ حضرت شیخ محمد یحییٰ اٹکیؒ پیر زین الدینؒ کے ہم پیر و ہم استاد
تھے۔ ان کی ایک بیٹی بھی پیر زین الدینؒ کے بیٹے سید حاجی عبدالشکور سے بیاہی ہوئی تھی۔ جب
پیر زین الدین وفات پاگئے تو حضرت یحییٰ اٹکیؒ ان کی تعزیت اور فاتحہ خوانی کے لئے موضع
بیت الغریب تشریف لے گئے۔ واپسی پر انہوں نے پیر زین الدینؒ کی قبر مبارک پر مراقبہ
فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد سر مبارک کو اٹھایا اور پیر صاحب کے مقاماتِ عالیہ اور درجاتِ
جلیلہ کی خبر دی۔ ساتھ ہی ان کی عجیب و غریب کرامات کا ذکر فرمایا۔ اسی وقت ان
کے گھر بھی تشریف لے گئے۔ پیر زین الدینؒ کی وفات کے بعد حضرت جیوؒ (شیخ یحییٰ
اٹکی) ان کے لنگر اور روضہ مبارکہ کے مختار تھے۔

حضرت سید زین الدین قدس سرہٗ فرزند ارجمند حضرت سید فرید الدین نور محمد قدس سرہٗ
اپنے والد ماجد سے سلسلہ سہروردیہ۔ قادریہ۔ نقشبندیہ مجددیہ چشتیہ وغیرہ سلاسل میں مجاز
طریقت تھے۔ اور ان تمام سلاسل میں آپ کے مجاز طریقت اور سجادہ نشین آپ کے
فرزند حضرت شیخ حاجی سید عبدالشکور صاحب قدس سرہٗ تھے۔ (احوال العارفین ص ۵۰۸)

پیر زین الدینؒ کی کرامات

ساغری خٹک قوم کا ایک قبیلہ ہے جو علاقہ
نرڑہ چھپ ضلع کیمبلپور میں آباد ہے۔ کہتے
ہیں حضرت پیر زین الدینؒ ایک دفعہ بغرض سیاحت اس علاقے میں پہنچے۔ چند
دن قیام فرمایا۔ جب اس علاقے کے لوگوں کو ان کے درود مسعود کا پتہ چلا تو آپ
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "ہم لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں لیکن اس
زمین پر سانپ بہت پائے جاتے ہیں۔ سانپوں کے ڈر سے یہ علاقہ غیر آباد اور بنجر
ہے۔ اگر حضرت عنایت و مہربانی فرما کر دعا فرمائیں تو یقین ہے کہ اس دعا کی برکت سے

اللہ تعالیٰ ہمیں سانپوں کے آزار سے محفوظ کردے۔ حضرت نے ان کے حق میں دعا کی
فرمایا۔ جاؤ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔ سانپ تم لوگوں سے کوئی غرض نہ رکھے
گا۔ آج تک وہ ملک آباد ہے۔ سانپ وہاں کے رہنے والوں سے کوئی غرض نہیں رکھتا
اگر بالفرض کسی کو ڈس بھی لے تو تکلیف نہیں پہنچاتا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم
سے انسان ان سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ یہ نقل تواتر سے چلی آرہی ہے اور بہت مشہور ہے۔
نیز ایک دفعہ جب اس علاقے میں بارش نہ ہوئی تو اس علاقہ کے لوگ جمع ہوگئے
اور اس جگہ مل کر طلب باراں کے لئے دعا مانگی جہاں پیر زین الدینؒ نے چند روز قیام فرمایا
تھا۔ صدقہ و خیرات کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان پر بارانِ رحمت نازل فرمایا۔
حضرت پیر زین الدینؒ اپنی تصنیف "بضعۃ الاربعین" میں لکھتے ہیں کہ جب یہ
روایت مجھ تک پہنچی کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت
یہ ہے کہ جب سواری پر سوار ہونا چاہتے تو پاؤں رکاب میں رکھنے سے لے کر سواری پر قرار
پکڑنے تک پورا قرآن ختم کر لیتے۔ فقیر ذرہ نظیر بلکہ اس سے بھی حقیر جو ان سطور کا لکھنے
والا ہے کے کانوں نے جب شاہ ولایت امیر المومنین کی یہ کرامت سنی تو اگرچہ اس
کی حقیقت میں کوئی شبہ نہیں رکھتا لیکن اس کی کیفیت میں متردد اور حیران تھا ایک
رات ذاتِ باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضۂ مبارک
خواب میں دیکھا کہ ہر طرف بڑے بڑے اور حسین پردے اردگرد لگا دیئے گئے تھے اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس ایسی بہتر اور زیبا تھی کہ اس اونچی مجلس کا
تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ جس کسی نے بھی کہا ہے۔ بہت اچھا کہا ہے:۔

؎ یا صد ہزار دیدۂ فلک در ہزار قرن ۔ مجلس بدیں تراوت و خوبی ندیدہ بود

(ترجمہ) آسمان نے ہزاروں آنکھوں کے ساتھ ہزاروں زمانوں میں اس جیسی روشن اور خوبصورت محفل نہیں دیکھی تھی۔

الحاصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اشارہ فرمایا کہ قرآن پڑھیں۔ اول سے آخر تک قرآن پاک ایک ساعت میں جس کی مقدار سواری پر سوار ہونے یا اس سے بھی کم وقت تھی، میں ختم کیا اور حاضرین نے اس کے سننے کا شرف حاصل کیا۔ آیت (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان کا قرب دنیا اور آخرت میں نصیب فرمائے۔

اور اس حقیر کی نظر میں ایسا ہوا کہ بجلی تے ایک لحظہ میں سالوں کا راستہ طے کیا اور فقیر ذرہ نظیر کے کانوں میں یہ آواز آئی کہ اس زبان کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی بجلی کی سی تیز رفتاری اور رواتی عطا کی ہے۔ اس کے بعد میرے دل میں جو خدشہ اور تردد تھا بالکل ختم ہوگیا۔

پیر زین الدینؒ اپنے وقت کے ایک جید عالم اور پیر طریقت تھے۔ اس لئے سطحی علم رکھنے والے کم علم علماء اکثر ان پر معترض ہوتے۔ وہ حضرت پر لعن طعن کرتے اور ان کو برا بھلا کہتے۔ حضرت نے ہمیشہ ان اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ لاہور اور ملتان کے مقتدر علماء نے آنحضرت کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ لیکن یہ لوگ پھر بھی مخالفت سے باز نہ آئے۔ اس خاندان کے معاندین کو جب بھی موقع ملا تو وہی پرانے اعتراضات پھر سے اٹھانے لگے۔ انہی میں سے ایک ملا شمس الدین بھی تھے جنہوں نے "مناقب فقیر صاحب" لکھی۔ ملا شمس الدین کے بیان کا مختصر خلاصہ یہ ہے:-

"غوث بابا سے نقل ہے جو برہان گل کے حوالے سے کہتے ہیں کہ فقیر صاحب کے وقت میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ اس زمانے میں پیر زین الدین ایک پیر تھا جو رافضی

عقیدہ رکھتا تھا۔ عمر بیباک اور چالاک کی نسل سے تھا۔ ان کا رفض کتاب سے ثابت ہے۔ اخوند صاحب (اخوند درویزہ) نے تذکرہ میں عمر اور چالاک کا حال لکھا ہے کہ یہ پیر منکہ کی اولاد میں جو قندھار کا ایک چور تھا۔ خوگیانی سید نہیں ہے اور نہ ہی خوگیانیوں میں پیر ہیں۔ ان سب کا عقیدہ خراب ہے۔ زین الدین کا ظاہری علم بہت تھا اور اس کے عقائد مندرجہ ذیل تھے:-

اوّل وہ یزید پر لعنت جائز سمجھتا تھا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں نے یزید کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھا۔ دوم یہ کہ خیرات مرجانے والے کو نہیں پہنچتا۔ اس کو دعا کی ضرورت نہیں۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیۂ کریمہ ہے: "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ" سوم یہ کہ انہوں نے "مخزن" (تصنیف اخوند درویزہ) پر بھی اعتراض کیا۔

الغرض علماء اس گمراہی سے باخبر ہوئے اور بلنبر اخون صاحب جن کا نام ظہیر الدین تھا مع کچھ اور ہزارہ کے علماء اور امی لشکر بناکر ولئی گاؤں پر حملہ آور ہوئے۔ زین الدین نے بھاگ کر افضل خان کے پاس پناہ لی۔ مخالفین نے ولئی میں ان کے چند گھروں کو جلا دیا۔

اب ان الزامات کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ملا شمس الدین اور ان کے راویوں کا مختصر سا تعارف کرایا جائے۔

شمس الدین

قوم سے کاکا خیل تھے۔ شجرۂ نسب یوں ہے:- میاں شمس الدین[1] ابن زبیر[2] ابن قیاس الدین[3] ابن حضرت ضیاء الدین[4] شہید المعروف بہ آزادگل ابن شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ۔

جس شاخ سے میاں شمس الدین تعلق رکھتے تھے وہ زیادہ تر زیارت کاکا صاحب میں ہیں اور چند ایک گھرانے موضع ولئی میں بھی ہیں۔ شمس الدین مندرجہ ذیل کتابوں کے

مصنف ہیں (۱) مناقب امام اعظمؒ (۲) مناقب شیخ رحمکارؒ (۳) مناقب فقیر جمیل بیگؒ[19] - آخری دو کتابیں پشتو نظم میں اور تا حال قلمی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں راقم الحروف کی نظر سے گزر چکی ہیں۔

ملا شمس الدین کو لاآکہ اور موصوف نے ۱۱۲۴ھ میں قتل کر دیا تھا جو قوم کاکاخیل

کے دو سرکش اور خود سر افراد تھے اور قیاس الدین کی اولاد میں سے تھے۔

غوث بابا

شیخ ضیاء الدین (ابن کاکا صاحبؒ) کے پانچویں بیٹے۔ قیاس الدین کے آٹھ بیٹے تھے۔ ان میں سے دوسرے غوث بابا تھے۔ ضیاء الدین المعروف شہید بابا کی شہادت کے بعد خوانین اکوڑہ کے ساتھ جو کشمکش جاری رہی ہے، قیاس الدین کی اولاد نے اس میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں حصہ لیا ہے۔

غوث بابا کی اولاد خاندان بابا خیل کے نام سے مشہور ہے۔ ساولڈھیر ضلع مردان مصری بانڈہ، نوشہرہ کلاں، سوڑ ڈھیر تحصیل صوابی اور کوگا علاقہ چیدہ میں بھی اس خاندان کے کافی افراد آباد ہیں۔

برہان گل

شیخ ضیاء الدین کے تیسرے بیٹے کا نام برہان الدین یا برہان گل بابا تھا۔ ان کے تین صاحبزادے تھے۔ سید محمد، افضل محمد، حاجی گل، پہلے دو تو لاولد وفات پا گئے۔ حاجی گل صاحب کی اولاد موضع دیبی متصل زیارت کاکا صاحب میں ہے۔

بلنڑ اخون صاحب

میاں شمس الدین نے ان کا اصل نام ظہیر الدین بتایا ہے۔ اب تک بلنڑ اخون صاحب کی شخصیت کا تعین میں نہ کر

سکا۔ لیکن روشن خان صاحب نے "تواریخ حافظ رحمت خانی" میں میاں نور کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی زیارت بنڑ باباؒ[20] سے شہرت رکھتی ہے اور علاقہ دیر کے موضع خال میں واقع ہے میاں نور کا اعزازی لقب اخون تھا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے خوشحال خان خٹک کے ساتھ ان کے دورۂ سوات میں مناظرہ کیا تھا۔ وجہ مناظرہ یزید پر لعنت یا عدم لعنت کے جواز کا تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ میاں نور ایک نیم ملا تھا اور مغلوں کا ایجنٹ تھا

جو نہیں چاہتا تھا کہ یوسف زئیوں کے ساتھ خوشحال خان خٹک کا اتحاد و اتفاق قائم ہو جائے اور مغلیہ سلطنت کے لئے خطرہ بن جائے۔ محترم محقق کامل صاحب نے بھی خوشحال خان کا اخوند درویزہ بابا" کو برا بھلا کہنے کا سبب میاں نور ہی کو بتایا ہے۔

اب آتے ہیں میاں شمس الدین کے اعتراضات کی طرف۔ کیا پیر زین الدینؒ رافضی عقیدہ رکھتے تھے؟ یقیناً نہیں۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت ان کی کتاب بضعتہ الاربعین کا نواں باب ہے جس میں وہ صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے فضائل بیان کرتے ہیں اور ان لوگوں کو زندیق تک لکھا ہے جو صحابہ کرامؓ پر جرح کر کے ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ صحابہ کی خطائیں معاف ہیں۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ کے بارے میں اس بزرگ کی رائے سے متفق ہیں جو اس طرح کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کو پردے کے اندر حساب کیلئے لیجایا گیا۔ کچھ دیر بعد امیر المومنین علی مرتضیٰ باہر تشریف لائے اور کہا۔ الحمد للہ کہ حق میری جانب تھا۔ کچھ دیر امیر معاویہؓ نے باہر آکر فرمایا۔ الحمد للہ کہ مجھ سے درگذر فرمایا گیا۔

کیا ایسے خیالات و نظریات رکھنے والا بزرگ رافضی ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ صحیح العقیدہ اہل سنّت والجماعت کا یہی نظریہ ہے۔

اب آتے ہیں ملا شمس الدین صاحب کے دیگر اعتراضات کی طرف۔ اخوند درویزہؒ کی کتاب میں پیر زین الدینؒ کے بزرگوں کو رافضی نہیں کہا گیا ہے۔ پیر منکہ والی روایت پر پہلے ہی بحث ہو چکی ہے۔ البتہ اخوند درویزہ نے ڑدوتی (عُدرانی) قبیلے کے خواجہ کی روایت لکھی ہے۔ فقیر شمس الدین نے انہیں خوگیانی لکھا ہے۔ اس بات میں حقیقت صرف اس قدر ہے کہ پیر زین الدینؒ کے دادا شاہ اسمٰعیل ملتان سے آنے کے بعد خوگیانی قبیلے کے پڑبہہ شاخ میں مقیم ہو گئے اور وہیں انہوں نے شادی کی۔ وہ خود خوگیانی نہ تھے بلکہ ان کے آباء واجداد بخارا سے علاقہ خوست میں آئے تھے۔

اب آتے ہیں پیر زین الدینؒ کی طرف منسوب عقائد کی جانب۔

(۱) جہاں تک یزید پر لعنت کے جواز کا تعلق ہے تو بہت سے اہلسنت والجماعت بزرگ اس نظریئے کے قائل رہے ہیں۔ علمائے اہل السنۃ میں سے جو لوگ جواز لعنت کے قائل ہیں۔ ان میں ابن جوزی۔ قاضی ابویعلیٰ۔ علامہ تفتازانی اور علامہ جلال الدین سیوطی نمایاں ہیں اور عدم جواز کے قائلین میں نمایاں ترین بزرگ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ ہیں۔ حافظ ابن کثیر کے بقول امام احمد بن حنبل بھی جواز لعنت کے قائل تھے مگر علامہ سفارینی اور امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ زیادہ معتبر روایات کی رُو سے امام احمد یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے (بحوالہ خلافت و ملوکیت۔ ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ ۱۸۳)

اگرچہ بعض اس معاملہ میں اس وجہ سے سکوت کے قائل ہیں کہ یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کی روز قیامت پُرسش ہو گی۔ جہاں تک

اخوند درویزہؒ اور ان کے مکتب فکر علماء کے اس بارے میں نظریہ کا تعلق ہے تو وہ اہل سنت والجماعت سے زیادہ ناصبیوں سے ملتا ہے۔ اس پر آپ پہلے ہی جناب امیر حمزہ شنواری صاحب کے مرشد عبدالستار بادشاہ کا قول دیکھ چکے ہیں۔ اخوند درویزہؒ کے ان ہی نظریات کی بناء پر مشہور افغان شاعر خوشحال خان نے ان کی سخت مخالفت کی ہے اور اخوند صاحب کے مرید میاں نور کو ایک مناظرے میں نیچا دکھایا۔

خوشحال خان، اخوند صاحب کی کتاب "مخزن" کے بارے میں لکھتے ہیں:-

نامعقول مجهول بیان پکښے بېځایه ۔ په کښې بد دَ سید دا به یزید شایه

حضرت پیر زین الدینؒ سے یہ بات بھی منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یزید کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھا۔ اس بارے میں ان کا جو بیان کتاب "نفحۃ الاربعین" میں آیا ہے وہ یوں ہے:-

" زبدۃ العارفین مجدد الف ثانی شیخ احمد کابلیؒ نے اپنے مکتوبات شریف میں یزید پر لعنت جائز ہونے پر یہ آیتِ کریمہ بطور دلیل دی ہے۔"

(ترجمہ) جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذاء و تکلیف دی، لعنت ہے ان پر اللہ کی طرف سے دنیا و آخرت میں اور تیار کیا گیا ہے انکے لئے عذاب ذلت اور رسوائی۔

نیز ہادی المسلمین میاں شیخ اسد اللہ مرحوم اور عرفان ہدایت شیخ سعدی لاہوری جمع کثیر کے سامنے یزید کو اس بددعا سے یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت قدوۃ المحققین شیخ آدم بنوریؒ کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پردوں کو اٹھا کر مجھے دوزخ دکھلایا تو یزید بدبخت کو میں نے دوزخ میں دیکھا۔

شمس الدین نے دوسری بات جو حضرت زین الدینؒ سے منسوب کی ہے وہ یہ ہے

"خیرات مرجانے والے کو نہیں پہنچتی۔ اس کو دعا کی ضرورت نہیں۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ہے: کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ۔"

اس مسئلہ کے بارے میں صرف یہ کہوں گا کہ بضعۃ الاربعین میں یہ عبارت میری نظر سے نہیں گزری۔ ویسے بھی یہ موحدین، موجودہ نجدیوں اور وہابیوں کا نظریہ ہے جو ایک آستانہ دار اور پیری مریدی کا دھندہ کرنے والے بزرگ سے منسوب کرنا زیادتی ہی ہوگی۔

سوم الزام یہ ہے کہ پیر زین الدینؒ نے "مخزن" جو اخوند صاحب کی تصنیف ہے میں قصیدہ بردہ کے ایک پشتو میں ترجمہ شدہ شعر پر اعتراض کیا۔ شمس الدین نے پیر زین الدین کے اعتراض کو یوں بیان کیا ہے ؎

یوه وته ووا غزنه　　　مارا وکښه لمخزنه

(ترجمہ) ایک کانٹے دار درخت تھا جو میں نے مخزن سے نکال دیا۔

"مناقب زین الدین" میں یہ اعتراض یوں بیان کیا گیا ہے:" اخوند درویزہؒ اپنی شرح مخزن شریف میں "قصیدہ بردہ" کے اس شعر کے معنی میں لکھتے ہیں جو پشتو زبان میں ہے (ملوبے بھید لے تز تلی نه دریدی) یعنی معنی اس کا یہ ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک میں انتہائی عبادت، ریاضت اور ساری رات کھڑے رہنے کے سبب ورم آجاتا تھا اور ان کے تلووں مبارک سے زود پاتی بہ رہا تھا تو حضرت مولانا پیر زین الدینؒ نے فرمایا کہ یہ عبارت سید المرسلینؐ کی شان اقدس میں کچی اور درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس عبارت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب عذر اور معذور تھے۔ حالانکہ آنحضور

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام زندگی میں اپنی امت کے دائمی امام تھے۔ کسی کے پیچھے آنحضرتؐ نے کبھی نماز نہیں پڑھی مگر ایک دو نمازیں جو امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی گئیں اور اس عبارت نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معذور قرار دیا اور صاحب عذر کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کی امامت جائز نہیں"۔

اس بارے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام شرف الدین محمد البوصیریؒ کے اس مشہور قصیدہ کا یہ شعر یوں ہے:-

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ أَحْيَى الظَّلَامَ إِلَى
أَنِ اشْتَكَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَرَمِ

اب قصیدے کا ترجمہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں ہو چکا ہے۔ فارسی ترجمہ حضرت ملا عبدالرحمٰن جامیؒ کا ہے اور اردو ترجمہ جناب محمد فیاض الدین نظامی بہزاد دکن کی کوشش ہے۔

(اردو) ؎ اس نبیؐ کی پاک سنت پر کیا میں نے ستم
تھا قیام شب سے جن کے پائے نازک پر ورم

(فارسی) ؎ من ستم کردم بسے بر سنتِ خیر الرسلؐ
آنکہ از احیائے شبہا پائے وے کردے ورم

اب اخوند درویزہؒ نے اس شعر کا پشتو ترجمہ یوں کیا ہے:-

پیروی مے دَ حبیبؐ دخوئ ونکلہ۔ هر چه دهٔ به تورے

ښځې ږونده وکړے۔ دوا ره پښے پرسیدے له سختئ ملوبے بهیدے
ترتلی نه دریږی۔

"مخزن" کے حاشئے میں 'ملوبے' کی وضاحت یوں کی گئی ہے :۔

ملویه ۔ نرمه ۔ نرئے وینه یو ترِهم روانه شوه (نرم، پتلا خون یعنی زرد خون بھی جاری ہوجاتا) اب پتلا خون زرد پانی کی طرح ہوتا ہے۔

میرے خیال میں اگر اخوند صاحب صحیح ترجمہ[۲۱] کرتے اور صرف پاؤں سوج جانے کا ذکر کرتے اور اس میں پاؤں مبارک سے پتلا خون جاری ہونے کے الفاظ کا اضافہ نہ کرتے تو یہ ترجمہ حدیث مبارک کا صحیح مفہوم ادا کرتا۔

اس کے علاوہ بھی کتاب "مناقب زین الدین" میں ایک مسئلہ درج ہے جو پیر زین الدینؒ اور ان کے ہمعصر علماء کے درمیان باعثِ نزاع تھا۔

مولانا پیر زین الدینؒ اپنی کتاب "تحفۃ الاربعین" میں لکھتے ہیں کہ آسمانی نکاح صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ام المومنین حضرت زینب رضؓ بھی اس پوشاک پر مشرف ہیں جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے :۔

(ترجمہ) جب زید نے اس کو طلاق دے دی تو ہم نے آپؐ کا اس سے نکاح کردیا.....

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینبؓ کے گھر بغیر عمومی قاعدہ قانون کے تشریف لے گئے۔ حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ بغیر پیغام نکاح اور گواہوں کے آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکاح میں دینے والا اور جبرائیل علیہ السلام گواہ ہے۔ اور حضرت زینبؓ تمام

ازواج مطہرات پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ جل شانہٗ نے باندھا ہے اور وہ میرا مستولی بن چکا ہے۔ اور آپ لوگوں کو مستولی اور نکاح میں دینے والے اپنے اولیاء اور اقارب ہیں۔ کذا ذکر فی المواہب علیہ تو جو لوگ نکاحِ آسمانی صرف عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ تخصیص کرتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ ان کا کیا مطلب ہے اور ان کی سند کیا ہے۔ اس آیت کے ظاہری معنی سے بھی ناواقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال جانتا ہے۔[۲۲]

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری مخالفت موضع ولئی پر قبضہ کرنے کا ایک بہانہ تھا نہ تو خوشحال خان نے جہیز میں میاں آزاد گل صاحب کو موضع ولئی میں حصہ دیا تھا۔ اور نہ ہی ولئی پیر سباکیوں کا قبضہ پیر زین الدینؒ کے وقت سے شروع ہوا۔ عقاب خٹک صاحب اپنی کتاب "پیر سباک" کے صفحہ ۳۱ پر لکھتے ہیں :۔

"نیز نہ تو ولئی میں آزاد گل کا کوئی دخل ہی ثابت ہوتا ہے (کیونکہ جو رقبہ اب ولئی میں کاکاخیلوں کے قبضے میں ہے اس پر ان کے بزرگوں نے صرف چار پانچ پشت پہلے ہی قبضہ مخالفانہ کیا ہے جبکہ وہ خاندانی دشمنی کی وجہ سے موضع زیارت کا کا صاحب سے ولئی چلے آئے۔"

یہ معلوم ہوا کہ میاں شمس الدین اور ان کے ذکر کردہ بزرگ وہی لوگ ہیں جن کی اولاد اب موضع ولئی میں آباد ہے۔ بعد میں پاپا میاں صاحب نے سرکاری اثر و رسوخ سے کام لے کر موضع ولئی اور بیت الغریب کے آبی وسائل کا معاوضہ بھی حکومتِ انگریز سے لے لیا اور اصل مالکان کو نہ دیا۔ یہ پاپا میاں صاحب برہان الدین اور شمس الدین کے خاندان میں سے تھے یعنی زبیر ابن قیاس الدین کی اولاد میں تھے اور دشمنی ان کے

آپ کے ایک مرید حضرت شیخ خواجہ محمد زاہد بن خواجہ عزیز اللہ بن خواجہ محمد عارف بن خواجہ محمد قاسم بن خواجہ خلیل اللہ رحمۃ اللہ علیہم نے ۱۱۴۶ھ مطابق ۱۷۳۳ء میں آپ کی سوانح اور حالات آپ کی زندگی میں لکھے تھے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

حافظ قرآن بدہ ہم دستگیر یکساں ٭ اسم او معصوم سر تاج ہمہ خورد و کلاں
طالبان فضل را تا روز حشر ٭ بارگاہت مقصد و مقصود باد

غرض کہ ایسے ہی بلند پایہ مشائخ سے تھے۔ تاریخ وصال آپ کی تا حال میسر نہیں ہوئی۔ آپ کے بعد شیخ المشائخ شیخ الاسلام حضرت شیخ جنید پشاوری قدس سرہ وارث علوم ظاہری و باطنی صاحب سجادہ اور مسند نشین ہوئے۔

(احوال العارفین ۵۰۹ - ۵۱۰)

"قصۃ المشائخ" میں خواجہ محمد معصوم" کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:-

"آپ تجارت اور کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ کاروبار میں بہت زیادہ نقصان اٹھایا اس لئے دنیا کے کاروبار سے دل برداشتہ ہو گئے اور اپنے ایک بھائی سید محمد امیر کے ہمراہ موضع اٹک تشریف لے گئے اور حضرت سراالاعظم "یحییٰ اٹکی" کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے اسم ذات کا آہستہ آہستہ ذکر کرنے کا حکم دیا اور بصد عزت و تکریم سے رخصت فرمایا۔"

حضرت مولانا سید معصوم شاہ پہلے پیر سبا کی بزرگ تھے جنہوں نے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ ویسے آپ چاروں سلسلہ ہائے طریقت سے منسلک تھے۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ اور قادریہ میں اپنے والد ماجد اور نقشبندیہ میں حضرت سراالاعظم یحییٰ اٹکی کے خلیفہ مجاز تھے

ازواج مطہرات پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ جل شانہ نے باندھا ہے اور وہ میرا متولی بن چکا ہے۔ اور آپ لوگوں کو متولی اور نکاح میں دینے والے اپنے اولیاء اور اقارب ہیں۔ کذا ذکر فی المواہب علیہ تو جو لوگ نکاحِ آسمانی صرف عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ تخصیص کرتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ ان کا کیا مطلب ہے اور ان کی سند کیا ہے۔ اس آیت کے ظاہری معنی سے بھی ناواقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال جانتا ہے۔[۴۲]

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری مخالفت موضع ولئی پر قبضہ کرنے کا ایک بہانہ تھا نہ تو خوشحال خان نے جہیز میں میاں آزادگل صاحب کو موضع ولئی میں حصہ دیا تھا۔ اور نہ ہی ولئی پیر سباکیوں کا قبضہ پیر زین الدین" کے وقت سے شروع ہوا۔ عقاب خٹک صاحب اپنی کتاب "پیر سباک" کے صفحہ ۳۱ پر لکھتے ہیں:-

"نیز نہ تو ولئی میں آزاد گل کا کوئی دخل ہی ثابت ہوتا ہے (کیونکہ جو رقبہ اب ولئی میں کاکاخیلوں کے قبضے میں ہے اس پر ان کے بزرگوں نے صرف چار پانچ پشت پہلے ہی قبضہ مخالفانہ کیا ہے جبکہ وہ خاندانی دشمنی کی وجہ سے موضع زیارت کاکا صاحب سے ولئی چلے آئے۔"

یہ معلوم ہوا کہ میاں شمس الدین اور ان کے ذکر کردہ بزرگ وہی لوگ ہیں جن کی اولاد اب موضع ولئی میں آباد ہے۔ بعد میں پاپا میاں صاحب نے سرکاری اثر و رسوخ سے کام لے کر موضع ولئی اور بیت الغریب کے آبی وسائل کا معاوضہ بھی حکومتِ انگریز سے لے لیا اور اصل مالکان کو نہ دیا۔ یہ پاپا میاں صاحب برہان الدین اور شمس الدین کے خاندان میں سے تھے یعنی زبیر ابن قیاس الدین کی اولاد میں تھے اور دشمنی ان کے

خاندان کی تھی۔ (بحوالہ خطوط میاں بہادر شاہ ظفر کاکاخیل)

پیر زین الدین قدس اللہ سرہٗ کے گیارہ فرزند تھے جو بقول مصنف کتاب "مناقب زین الدین" سب کے سب پرہیزگار، صاحب تقویٰ اور شریعت و سنتِ رسول ﷺ کے راستے پر مستقیم تھے۔

عبدالشکور[۱] اور کرم دین[۲] (ایک ماں سے) اسداللہ[۳] اور حافظ محمد عمر[۴] (ایک ماں سے) محمد علی[۵] اور شاہ نجم الدین[۶] (ایک ماں سے) محمد سعید[۷] جن کو مسعود شاہ بھی کہتے ہیں۔ سعدالدین[۸] (ایک ماں سے) عمادالدین[۹]۔ عبدالحق[۱۰] قیاس الدین[۱۱] (ایک ماں سے) مناقب زین الدین میں ایک بھائی کا نام غلام محی الدین درج ہے۔

پیر زین الدین کے دو بیٹوں حاجی عبدالشکور اور حافظ محمد عمر کے بارے میں مصنف "مناقب زین الدین" لکھتے ہیں: "صاحب کمال اور ارباب حال تھے۔"

حاجی سید عبدالشکور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت سرالاعظم شیخ یحییٰ اٹکیؒ کے خلیفہ تھے۔ اس کے علاوہ طریقہ عالیہ قادریہ سے بھی منسلک تھے۔ سلسلہ قادریہ میں ان کے مرشد کون تھے؟ اس بارے میں ہم مناقب زین الدین سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ جہاں لکھا ہے:۔

"حضرت مولانا سید معصوم شاہ (ابن عبدالشکور) کے بزرگان طریقہ سہروردیہ میں سے تھے اور مولانا صاحب خود ابتدائی زمانہ سلوک میں قادریہ طریقے سے پوری طرح محبت رکھتے تھے۔ حضرت سرالاعظمؒ نے ان کو طریقہ نقشبندیہ میں داخل فرمایا مولانا شاہ معصومؒ فرماتے ہیں کہ جس دن سرالاعظم نے مجھے طریقہ نقشبندیہ میں داخل فرمایا تو خواب دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ بزرگ[۲۳]، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ میرے

والد اور حضرت سرالاعظم دریا کے کنارے بیٹھے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ مجھ سے طریقہ قادریہ چھوڑ کر نقشبندیہ میں داخل ہونے پر رنجیدہ اور خفا ہیں لیکن خواجہ بزرگ میری طرف سے ان کے حضور میں سفارش کرتے ہیں اور اس طرح اس رنجش و خفگی کو دور فرمایا۔"

اس باطنی واقعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ طریقہ قادریہ میں اپنے والد محترم سے بیعت تھے۔ اب طریقہ قادریہ میں حضرت سیدنا و مولانا اخوند حافظ شیخ عبدالغفور باباجی صاحب سوات کا شجرہ طریقت یوں ہے۔

"شیخ جنید پشاوری اجازت دیگر از سید معصوم شاہ جہان آبادی ساکن دہ پیشاور و او از حاجی سید و او از شیخ خیراللہ جی و او از شیخ غیاث الدین و او از شیخ عبدالرزاق و او از سید زین الدین و او از سید میر میران و او از شیخ سلیمان و او از شیخ نظام الدین۔"

اثر صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ جہان آباد وہی مقام ہے جو پیر سباک کے مغرب میں واقع اور آج کل نوشہرہ کلاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ بات یقینی نہیں ہے کہ حاجی سید کون ہے؟ کیا اس سے شاہ معصوم کا اپنا باپ مراد ہے جو حاجی سید عبدالشکور نام رکھنے کی وجہ سے ممکن ہے۔ حاجی سید کہلائے ہوں یا نوشہرہ کلاں کے وہ حاجی سید جن کا شجرۂ نسب سید شلان سے جا ملتا ہے۔ اس حاجی سید کے پیر طریقت خیراللہ جی کو ہم صحیح طور سے نہیں جانتے۔ سید حاجی عبدالشکور کے جائے قیام ملا منصور کے مشرق میں ایک گاؤں کا نام گوندل مشہور ہے جس کا اصل نام خیرو خیل ہے۔ اگر حاجی سید سے حاجی عبدالشکور مراد لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا پیر طریقت موضع گوندل (خیرو خیل) کے شیخ خیراللہ ہونگے۔ سید شیخ جنید کے والد کا نام بھی شیخ خیرالدین ہے۔ حاجی سید عبدالشکور کو طریقہ سہروردیہ میں خلافت اپنے والد سے ملی تھی۔

سید عبدالشکور ابن سید زین الدین کا حال کتاب احوال العارفین میں یوں بیان ہے

شیخ المشائخ حضرت شیخ حاجی سید ستید عبدالشکور صاحب قادری قدس سرہٗ

آپ کی استعداد بہت بلند تھی اور طلب حقیقی اور عشق الٰہی کے جذبہ میں سرشار تھے۔ مزید طلب حق کی غرض سے حضرت شیخ سید شاہ خیر اللہ قادری قدس سرہٗ خلیفہ حضرت شیخ سید شاہ عنایت الدین قادری قدس سرہٗ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہو کر اس سلسلہ کے منازل سلوک طے کئے اور مجاز طریقت ہوئے۔ اور اسی سلسلہ قادریہ میں لوگوں کی تربیت فرماتے رہے۔ صاحب درس تدریس اور تعلیم علوم باطنی میں کامل اکمل تھے۔ آپ نے موضع ملا منصور میں خانقاہ فرمائی۔ جہاں ہزارہا مخلوق آپ سے علوم ظاہری و باطنی میں فیض یاب ہوئی۔

آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ آپ کی تصنیف کردہ ایک کتاب کا ایک نسخہ در ملکیت صاحبزادگان موضع ملاں منصور، مضافات اٹک ضلع کیمبل پور میں ہے جو شہر اٹک سے بجانب مشرق دو تین میل کے فاصلہ پر برلب سڑک بجانب جنوب ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں کے مشرق میں آپ کے شیخ کا گاؤں گوندل واقع ہے

آپ نے وہیں وصال فرمایا۔ وہیں مزار مبارک ہے

اولاد آپ کے تین صاحبزادے تھے۔

۱) حضرت شیخ سید محمد معصوم

۲) حضرت شیخ سید میر محمد

۳) حضرت شیخ سید میر محمد شاکر شاکر قدس سرہم۔ ان کی تصنیف میں دیوان شاکر ہے۔ (احوال العارفین ص۵۰۶ و ص۵۰۸)

؎ میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر میری محفل میرا فراز نہ پوچھ

یہاں ان بزرگوں کا بھی مختصر سا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا۔ جو عبدالشکور ہی کے نام سے موسوم تھے اور حضرت عبدالشکور ابن زین الدینؒ کے تقریباً ہم عصر تھے۔ کیونکہ مناقب۔ سیرت اور تصوف کی اکثر کتابوں میں ان کے حالات زندگی کو ایک دوسرے سے تمیز نہیں کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالشکورؒ حضرت جی اٹکیؒ کے دو پوتے تھے۔ شیخ عبدالشکور اور شیخ عبداللہ۔ قوم کے چغتائی مغل تھے۔

مولانا سید عبدالشکور اٹکی رحمۃ اللہ علیہ: ڈاکٹر محمد حنیف اسلامیہ کالج پشاور اپنے ایک مقالے میں ان کا ذکر یوں کرتے ہیں

آپ کا اسم گرامی عبدالشکور اور والد بزرگوار کا نام اسحاق تھا۔ آپ نسباً سید۔ مذہباً حنفی اور طریقتاً نقشبندی تھے۔ آبائی وطن تتہ (ٹھٹھہ) تھا آپ کے والد اجد سید اسحاق وہاں پر پیدا ہوئے۔ حضرت آدم بنوریؒ کے ایما پر حضرت نظام الدین تھانیسریؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اپنے پیر مرشد کے کہنے پر شہر اٹک کے مضافات میں چھچھ کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ اٹک میں سکونت کے دوران حضرت سید عبدالشکور پیدا ہوئے۔

۱۰۹۹ھ میں حضرت سعدی لاہوریؒ نے ان کے ہاں اٹک میں قیام فرمایا۔ اور وہیں ارشاد و بیعت کے منصب جلیل سے سرفراز فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالشکور نہایت ایمان دار، عابد و زاہد اور مرتاض بزرگ تھے۔ حضرت جی اٹکیؒ اور

میاں محمد عمر چمکنیؒ دونوں ان کے بڑے مداح تھے۔ مولانا سید عبدالشکورؒ بعض عوارض کے سبب اپنا گاؤں چھوڑ کر پشاور آئے اور یہاں موضع تیراہیاں میں چند سال تک قیام فرمایا۔ میاں صاحب چمکنی یہاں سکونت کے دوران ان کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے۔

مولانا سید عبدالشکور ایک شقی القلب چور کے ہاتھوں شہید ہوئے یہ واقعہ ۲۳ محرم ۱۱۱۲ھ میں پیش آیا۔ آپ کو اٹک سے تقریباً بارہ میل دور ان کے گاؤں موضع ابابکر میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

(بحوالہ کتاب طواہر السرائر۔ از میاں محمد عمر چمکنیؒ)

حافظ محمد عمرؒ | ان کا خاندان آج کل حافظ خیل کہلاتا ہے۔ ملنگ ان کی یوں تعریف کرتے ہیں ۔

چارم بن حافظ عمر در دورِ خویش　　پنجۂ محکم زند در دین و کیش

یعنی (زین الدینؒ کا) چوتھا بیٹا حافظ محمد عمر اپنے وقت میں دین و ملت کا ایک مضبوط پنجہ تھا۔

حافظ محمد عمر کے بارے میں قاضی عبدالحلیم اثر صاحب لکھتے ہیں:۔

"ان ہی شاہ معصوم[۲۴] ساکن پشاور کے وہ بھائی جن کا نام محمد عمر تھا اور جو بعد میں ضلع کیمبل پور (اٹک) چلے گئے تھے وہ بھی حضرت سرالاعظم شیخ محمد یحییٰ عرف حضرت جی صاحب اٹک کے مرید تھے اور پشاور شہر کے محلہ آسیا میں مقیم تھے۔

حضرت غوث الافغان میاں محمد عمر چمکنی کے ایک مرید تھے۔ دادین۔ اس نے ستر سال کی عمر میں ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں مناقب میاں عمر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فرماتے ہیں:۔

یوهم نام دَ څمکنو دَ صاحب وائیم　　زه ئې کود په سر آسیا کښې درته بنایم

قصۃ المشائخ میں لکھا ہے کہ کمال بوٹہ نام گاؤں (واقع کیمبل پور) کے لوگ چوروں کے ہاتھوں تنگ آ گئے اور انہوں نے پیر محمد معصومؒ سے درخواست کی جس نے اپنے چچا محمد عمر جو عمر میں ان سے کم تھے کو ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیا۔

تیمور شاہ ابن احمد شاہ ابدالی کی طرف سے سادات پیر سباک کو جو سند ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۰۰ھ (مطابق ۲۷ فروری ۱۷۲۸ء) کو دی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ محمد عمرؒ احمد شاہ ابدالی کے زمانے میں بقید حیات تھے لیکن اس سند کے دیئے جانے سے پہلے وہ فوت ہو چکے تھے۔

حافظ محمد عمر کی اولاد کا شجرہ یوں ہے:۔

- حافظ محمد عمر
  - حاجی میر محمد حسن
    - یحییٰ شاہ
    - میر عبدالودود شاہ (معروف بہ میر صاحب۔ لاولد)
    - میر عبدالرؤف شاہ
    - محمد حسین
  - میر متیب

سادات بوٹہ کے شجرے میں حاجی میر محمد حسن کا نام یوں آتا ہے۔ زبدۃ العارفین قدوۃ الواصلین، حاجی الحرمین۔ مرشد محقق حضرت سید محمد حسن شاہ قدس سرہٗ۔

حاجی محمد حسن شاہ سادات بوٹہ کے مورث اعلیٰ اور اپنے زمانے کے مشہور ولی گزرے ہیں۔ شجرہ مذکور میں لکھا ہے:۔ " اہالیان بوٹہ ڈاکوؤں[۲۵] کے آئے دن کے دستبرد سے تنگ آ چکے تھے۔ اس لئے بہت سی منت سماجت کے بعد آپ کو موضع بیت الغریب سے اپنے ہمراہ اپنے گاؤں لائے۔ آپ نے بوٹہ آ کر پہلے تو اس گاؤں کے دفاعی کاموں کو سنبھالا۔ چنانچہ اس گاؤں کی بڑی بوڑھیاں آج تک یہ گیت گاتی ہیں:۔

"لوٹا بھاگے بھریا، جن ناں پیر حسن ایدا دھریا"

آپ کی کرامت سے موضع بوٹہ کے قریب بمقام نارہ میں پانی کا ایک چشمہ ظاہر ہوا۔ آپ فلسفہ کے ایک متبحر عالم ہونے کے باوجود ایک باکمال صوفی تھے۔

شیخ محمد حسن کے بیٹوں میں شیخ الاساتذہ حضرت شاہ یحییٰؒ ایک عالم دین بزرگ گزرے ہیں۔ نوشہرہ تحصیل کے بیت التقریب نامی گاؤں کی ایک مسجد میں درس و تدریس کا کام کیا کرتے تھے۔ "منتخب" کے نام سے عقائد کی ایک کتاب پشتو زبان میں لکھی تھی جس میں اکثر حوالے عربی کتاب "عقائد نسفی" سے ماخوذ تھے۔ شاہ یحییٰ عالم اور فاضل بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ پشتو اور فارسی زبان کے ایک بہترین شاعر بھی تھے۔

یحییٰ شاہ کی اولاد میں علی اصغر شاہ کے بیٹے غلام فرید شاہ مشہور و معروف شخصیت ہیں جنہوں نے تحریک خلافت کے دوران "خان بہادری" کا خطاب سرکار انگریز کو واپس کر دیا اور اعلیٰ انگریزی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔ غلام فرید بابا ۱۹۸۲ء میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے بھی ملک کی سیاسی سرگرمیوں میں شدومد سے حصہ لے رہے ہیں۔ ایک بیٹے سید ایوب شاہ بخاری ہائیکورٹ کے وکیل ہیں۔ دوسرے فرزند زاہد حسین بخاری ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں متحدہ محاذ پارٹی (پی این اے) کی طرف سے امیدوار تھے۔ مشہور سیاسی رہنما شوکت حیات کے خلاف انتخاب لڑا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ پیشے کے لحاظ سے وکیل ہیں۔

یحییٰ شاہ کے تیسرے بیٹے جعفر شاہ کی اولاد میں فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اور ۱۹۵۳ء کے سنی قادیانی فسادات میں شرپسندوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اسی خاندان کے بہادر شاہ انگریزی فوج میں رسالدار تھے۔

بہادر شاہ میر محمد یحییٰ صاحبؒ [illegible] سید عبدالرحمنؒ کی اولاد سے ہیں

اپنے مرشد عالیمقام کے حکم پر ان کی وفات کے بعد اپنا گاؤں چھوڑ کر قصبہ اٹک ہی میں قیام پذیر ہوئے اور رشد و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ ان کے مریدوں میں خواجہ محمد قاسم برادر مصنف کتاب "قصۃ المشائخ" عبدالرحمن، صوفی محمد قلی بیگ اور محمد مسعود شامل تھے۔ خواجہ شیخ جنیدؒ جن کا مزار اقدس پشاور شہر میں واقع ہے اور مشہور و معروف ولی گزرے ہیں۔ انہوں نے بھی سلسلہ عالیہ قادریہ میں خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت کی تھی۔

محترم عقاب خٹک خواجہ محمد معصومؒ کا مزار مبارک موضع پیر سباک میں بتاتے ہیں جبکہ فاضل مؤرخ عبدالحلیم اثر صاحب ان کا مدفن شہر پشاور کے محلہ شاہ معصوم نزد گور گھٹڑی میں لکھتے ہیں جس کے لئے وہ حوالہ شجرۂ طریقت باباجی صاحبؒ سوات اور ان کے پیر طریقت اخوند محمد شعیبؒ کی تصنیف "مرآۃ الاولیاء" کا دیتے ہیں۔ شاہ معصومؒ کے مزار کے مجاور مولانا محراب[26] شاہ ابن مولانا حبیب اللہ نے راقم الحروف کے نام ایک خط میں اثر موصوف کے بیان کی تائید کی ہے۔ راقم الحروف کو بھی اس زیارت کا شرف نیاز حاصل ہے جس کے باہر شاہ معصوم کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ اہل محلہ کو ان بزرگ کی اولاد اور جائے پیدائش کا علم نہیں ہے۔ وہ تو اسے بہلول دانا کا مزار بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اسے غازی اور شہید جانتے ہیں۔ راقم الحروف کے پاس جو خاندانی شجرہ ہے اس میں یہ نام محمد عاصم لکھا ہوا ہے اور ایک شاخ کا شجرہ یوں دیا گیا ہے:-

مطلب شاہ ابن صاحب شاہ ابن محمد باقر ابن محمد عاصم ابن عبدالشکور

"قصۃ المشائخ" میں ان کی کئی کرامات کا ذکر ہے۔ یہ کتاب چونکہ ان کی زندگی ہی میں لکھی گئی ہے اس لئے قبر کا سراغ نہیں ملتا۔ تیمور شاہ کی طرف سے ۱۲۰۰ھ میں دی

گئی سند سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ محمد معصومؒ احمد شاہ ابدالی (عہد حکومت ۱۱۶۱ھ ۔۱۱۸۷ھ) کے عہدِ حکومت میں زندہ تھے اور سند کے دیئے جانے کے وقت فوت ہو چکے تھے۔

پیر سباکؒ کے دوسرے فرزند حاجی رکن الدین کی اولاد میں عالم شاہ اور پیر مہدی شاہ کی زیارتیں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ عالم شاہ ولد سیف الدین کا مزار موضع کال ضلع اٹک میں واقع ہے۔ موضع کال، لسال اور فتح جنگ کے درمیان ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن ہے جبکہ حضرت فیض درجات، پیر طریقت، قبلۂ عالم، سید مہدی شاہؒ کا مزار اقدس موضع لنگر شریف فتح جنگ، ضلع اٹک میں واقع ہے۔ جس پر ہر سال ایک عرس ہوتا ہے۔ ان کے فرزندوں میں علامہ محمد زبیر شاہ جامعہ اسلامیہ غوثیہ، چکوال کے بانی ہیں۔ دوسرے بیٹے صاحبزادہ محمد انور شاہ جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ میں شیخ الحدیث ہیں۔

مسعود شاہ ابن زین الدینؒ کی اولاد میں پیر محمد مشرف شاہ المعروف "دادا نیکہ" ایک بزرگ گزرے ہیں جن کی زیارت ملکیت قوم محبن خیل غوری والہ ضلع بنوں میں ہے۔ زائرین کا تانتا ہر وقت بندھا رہتا ہے۔ ان کے بیٹے میر ہوس شاہ کی اولاد موضع نار میر عباس شاہ علاقہ نورنگ ضلع بنوں میں آباد ہے۔ ان کے چند ہم جد رشتہ دار موضع جات تراپ (ضلع کیمبل پور) اور کٹر کی ضلع میانوالی میں رہتے ہیں۔

تراپ میں سید گلاب شاہ (برادر بزرگ) اور سید مسعود شاہ کٹر کی میں ہر دو پسران سید سیف اللہ شاہ بن سید فضل اللہ شاہ بن محمد گلاب شاہ بن سید مسعود شاہ بن ہادی دین متیں پیر سید زین الدینؒ۔

سید علیم شاہ بن سید نظام شاہ بن سید مدثر شاہ بن سید نقاب شاہ بن

سید سیف اللہ شاہ بن سید فیض اللہ شاہ بن سید گلاب شاہ بن مسعود شاہ بن سید زین الدینؒ۔

گنج علوم محمد علی شاہ کے چار بیٹے تھے:۔

مہر محمد شاہ۔ لطف اللہ شاہ۔ محمد عوز یز شاہ۔ محمد منیر۔

مہر محمد شاہ کی اولاد موضع پتی سر، میانوالی میں آباد ہے۔ راقم الحروف اسی شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔

لطف اللہ شاہ کے پانچ بیٹے تھے:۔

اللہ دینؒ[1] یا علاؤ الدین جنہیں اولادین بابا جی بھی کہتے ہیں۔ شیر علیؒ[2]۔ میر عصمت شاہؒ[3] محمد اشرفؒ[4] اور زبیر شاہؒ[5] (لاولد)

اسی شاخ میں اللہ دین شاہ المعروف اولادین بابا جی صاحب مشہور بزرگ گزرے ہیں جن کا مزار اقدس موضع خواجہ خیل ضلع بنوں میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ ۱۸۲۳ء کی جنگ پیر سباک میں میاں اکبر شاہ المعروف سید بادشاہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ وہی اکبر شاہ جن کے بارے میں ایک انگریز مؤرخ کا کہنا ہے کہ اگر وہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے وقت زندہ ہوتے تو اس جنگ کا نقشہ ہی بالکل بدلا ہوا ہوتا۔

اللہ دین شاہ اس جنگ کے بعد حج بیت اللہ شریف کی نیت سے روانہ ہوئے۔ جب موضع عزنی خیل پہنچے تو چند دن یہاں قیام فرمایا۔ کچھ عرصہ موضع لونگ خیل میں بھی رہے یہاں پر قوم خواجہ خیل کے چند اکابرین نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ موضع خواجہ خیل چلے جائیں تاکہ ان کی برکت سے وہ اپنا گاؤں آباد کر سکیں کیونکہ اس زمانے میں ایک دوسری قوم آدم زئی کے ڈر سے اس قوم کے افراد بکھرے ہوئے تھے۔ الغرض

شاہ صاحب کی برکت سے یہ گاؤں ایک بار پھر آباد ہوگیا اور آدم زئیوں کی دستبرد سے محفوظ ہوگیا۔ یہیں پر انہوں نے تاجہ زئی قوم کے ملک امام شاہ کے خاندان کی ایک لڑکی "سونا" نامی سے شادی کی اور وہیں بعد میں وفات پائی۔

ان کے بھائی میر عصمت شاہ کی اولاد میں عبدالوہاب شاہ بھی مشہور ولی گزرے ہیں۔ انہوں نے تعلیم ملتان میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ حضرت باباجی صاحب سوات کی خدمت میں رہے۔ بعد میں گولڑہ شریف[28] کے چشتیہ سلسلہ میں بیعت کی اور موضع خواجہ خیل کو مرکز ارشاد و ہدایت بنایا۔ ۱۹۲۹ء کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ ان کی قبر بھی اللہ دین شاہ کے مقبرے کے اندر واقع ہے۔

عبدالوہاب شاہ کے بیٹے مقبول شاہ آج کل گدی نشین ہیں جو پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کے سلسلہ چشتیہ کے مرید ہیں۔ سید مقبول شاہ کے بیٹے سید محبوب شاہ مستند عالم دین ہیں جنہوں نے مولوی صاحب تاج محمد آف متورہ سے علم ظاہری میں دستار فضیلت پائی ہے اور علم باطن میں عبدالمجید صاحب دیول شریف، فیض آباد (راولپنڈی) سے فیض پایا ہے۔

راقم الحروف کا ننھیال بھی اسی خاندان سے ہے۔ جدم حاجی الحرمین سید زمان شاہ عبدالوہاب شاہ کے بھائی، طاہر شاہ کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں میرہ شریف کے احمد صاحب سے فیض حاصل کیا ہے اور گولڑہ شریف کے پیر مہر علی شاہ رح سے بھی وظیفہ پایا ہے۔

طاہر شاہ کے دوسرے فرزند سیدان گل شاہ کے چھ بیٹے ہیں:-

سلطان شاہ[1]۔ مولانا یعقوب شاہ[2]۔ محمد جنید شاہ[3]۔ محمد سعید شاہ[4]۔ جعفر شاہ[5]۔

حبیب اللہ شاہ[6]۔ مولانا یعقوب شاہ سند یافتہ عالم اور خوش بیان خطیب ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ میں گھمکول شریف (کوہاٹ) کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ اسی طرح لائلپور (فیصل آباد) کے مولانا سردار احمد صاحب سے سلسلہ قادریہ میں بیعت اور خلیفہ ہیں سلطان شاہ کے فرزند ارجمند کشور حسین (عمر ۱۲ سال) حافظ کلام ربانی ہیں۔ سید مقبول شاہ ۱۹۸۳ء میں وفات پا گئے۔

میر عصمت شاہ ہی کی اولاد میں پیر محمد علی شاہ صاحب، عالم، بزرگ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بلخدرہ شریف کے خلیفہ مجاز ہیں۔ سلسلہ چشتیہ میں میرہ شریف کے احمد صاحب سے فیض یاب ہیں۔ پیر محمد علی شاہ کے والد میاں گل شاہ بن سید امیر شاہ بن محمد علی شاہ بن میر عصمت شاہ بن لطف اللہ شاہ بن محمد علی شاہ بن پیر زین الدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا تقریباً ایک سو سال قبل ایک خوشخط شجرہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے جس کے حاشیوں پر بعض بیش قیمت معلومات درج ہیں۔ پیر محمد علی شاہ کے نو[9] بیٹے ہیں۔

حاجی فدا حسین شاہ، محمد حسین[2]، قربان حسین[3]، مشتاق حسین[4]، علی حیدر شاہ[5]، سجاد حسین شاہ[6] (ایک ماں سے) اکرم شاہ[7]، حمید شاہ[8] اور عنایت شاہ[9] (دوسری ماں سے)

الحاج پیر سید محمد علی شاہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۵ء کو اس دار فانی سے دار البقا کو کوچ کر گئے آپ اپنے وقت کے ایک جید عالم دین اور روحانی پیشوا گزرے ہیں۔ معاصر روزنامہ نوائے وقت نے آپ کی وفات کی پہلی سالگرہ پر آپ پر ایک طویل مضمون شائع کیا جس کے چند تراشے حسب ذیل ہیں۔

"پیر صاحب نے فرمایا کہ میں نے واپسی پر ایک ہفتہ بمشکل گھر پر گزارا

ہوگا کہ ماہی بے آب کی طرح مرشد کی یاد نے تڑپایا چنانچہ چالیس دن کی چلہ کشی کے بعد مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو روحانی حکیم خواجہ باغداری رح نے پوچھا "شاہ صاحب بیماری سے افاقہ ہوا یا نہیں ہوا" فرمایا حضور آپ کا نسخہ تیر بہدف تھا اور اب پہلے سے بدرجہا بہتر ہوں اس پر خواجہ باغداری رح نے ہدایت کی کہ اب آپ واپس چلے جائیں۔ اور اس نسخے کا استعمال جاری رکھیں اور خلق خدا کو خدا اور رسول کی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ پھر قبلہ پیر صاحب نے پیر و مرشد کے احکامات ہندی کی لنگر قائم کر کے غرباء اور سائلین کو کھانا کھلانا شروع کیا اور یہ سلسلہ طرح تادم آخر قائم رہا۔

پیر صاحب جو ایک عالم و فاضل کے چشم و چراغ تھے اپنے آپ کو علمائے حق اور مشائخ عظام کا ادنیٰ نگار کہا کرتے تھے آپ کی طبیعت میں فقیری اور عجز و انکساری اور آپ ہر ایک سے پوری محبت، اخلاص اور ہمدردی سے ملا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کو مایوس اور نامراد واپس نہیں کیا۔ "قبلہ پیر صاحب مرحوم نہ صرف ایک عالم دین زاہد و عابد متقی تھے بلکہ ایک جہاندیدہ انسان اور صاحب سیاست و فراست بھی تھے" بہرحال دوسروں کو علم و زہد کی روشنی سے منور کرنے والا، دوسروں کیلئے راہ بنانے اور راہ دکھانے والا یہ روشن ستارہ ۱۸، دسمبر ۱۹۸۵ء کو اپنے نو نوجوان بیٹوں اور ایک بیٹی اور ہزاروں عقیدتمندوں کو رلاتا ہوا رات کے ایک بجے خالق حقیقی سے جا ملا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

شجرہ سادات پیر سباک
موضع لنگر گکھڑ بوٹا
(ضلع اٹک)

- پیر سباک
  - پیر سید شہاب الدین
  - پیر حاجی سید رکن الدین
    - سید صدر الدین
      - سید سیف الدین
        - سید زبرمت
          - سید عالم شاہ
            - سید ظفر شاہ
              - سید مہدی شاہ
                - رحمت شاہ
                  - قاسم شاہ
                    - حسین شاہ
                      - بدر منیر شاہ
                      - اطہر منیر شاہ
                  - فضل شاہ
                    - حضرت شاہ
                      - محمود شاہ
                        - سید منور شاہ
                        - سید اورنگزیب شاہ
                        - لعل بادشاہ
                        - مشتاق حسین
                        - بھول بادشاہ
                  - حبیب شاہ
              - شاہ رسول
                - سید اعظم
                  - معصوم شاہ
                    - سلیمان شاہ
                      - فرزند حسین شاہ
              - علی شاہ
                - عالم شاہ
                  - علی اکبر شاہ
                    - عبد اللہ شاہ
                    - گلاب شاہ
                    - ابو عبید شاہ
                - مبارک شاہ
                  - سید حلیم شاہ
                  - امیر شاہ
                    - سید شاہ
                  - حضرت شاہ
                    - عابد حسین
                    - تجمل حسین
                - اکبر شاہ
                - سید مہدی شاہ
                  - سید زبیر شاہ
                    - ریاض الحسن شاہ
                    - فیض الحسن شاہ
                  - سید انور شاہ
  - پیر سید فرید الدین

شجرہ سادات پیر سباک لنگر گکھڑ جبی (ضلع اٹک)
تبی سر (ضلع میانوالی) تاجزئی خواجہ خیل (بنوں)
کھوئیاں (تحصیل تلہ گنگ) موضع بیت الغرب، پیر سباک
(تحصیل نوشہرہ)

- پیر سباک
  - پیر سید فریدالدین
    - پیر سید زین الدین
      - سید محمد علی شاہ
        - سید مہر محمد — سید شاہ — اعظم گل — مظفر شاہ — حضرت شاہ
          - سید مخدوم شاہ
            - نقاب شاہ
            - قاسم شاہ
          - سید رضا شاہ
            - سید یحییٰ
            - سید منور شاہ
            - شاہ مرتضیٰ
          - علی اکبر شاہ — سید حلیم شاہ
            - سید الطاف حسین شاہ
            - سید چراغ حسین شاہ
            - سید اختر حسین شاہ
          - گلاب شاہ
            - یعقوب شاہ
            - حبیب شاہ
            - عبداللہ شاہ
            - اعظم شاہ
            - سید امیر شاہ
          - سید حسن (لاولد)
        - سید محمد منیر — سید حیدر شاہ — عبداللہ شاہ — مقبول شاہ
          - آب شاہ
          - قبول شاہ
          - زیور شاہ — سلمہ شاہ — لعل شاہ
            - محمود شاہ — مقبول شاہ
            - نور باد شاہ
              - غفور شاہ
                - اختر علی شاہ
                - فاروق احمد شاہ
              - سید قبول شاہ
          - (کھوئیاں تحصیل تلہ گنگ)
        - سید لطف اللہ شاہ
        - سید محمد عزیز — میر عصمت شاہ
          - پیر سید علاؤالدین (لاولد)
          - شیر علی شاہ
            - صاحب شاہ — محمود شاہ — محمد حسن شاہ
              - محمد عالم شاہ — محمد اکبر شاہ
              - محمد اکرم شاہ
                - مظہر علی شاہ
                - اظہر علی شاہ
            - محبوب شاہ — گلاب شاہ — میر احمد شاہ — سید فضل حسین
          - محمد علی شاہ — سید امیر شاہ — حاجی سید سلیمان گل شاہ — الحاج پیر سید محمد علی شاہ
            - سید فدا حسین شاہ
            - سید محمد حسین شاہ
            - سید محمد اکرم شاہ
            - سید قربان حسین شاہ
            - سید حمید شاہ
            - سید مشتاق حسین شاہ
            - سید علی حیدر شاہ
            - عنایت حسین شاہ
            - سجاد حسین شاہ
          - احسن شاہ — سید عبدالوہاب شاہ — سید مقبول شاہ — سید محبوب شاہ
            - جہان حسین
            - غلام حسین
            - ذاکر حسین
            - عابد حسین
          - سید طاہر شاہ
            - زمان شاہ
              - نذیر حسین شاہ
                - اعجاز حسین
                - ریاض حسین
              - مظفر شاہ
                - زبیر شاہ
                - مسرت حسین
                - عابد حسین
                - منزل حسین
                - اقبال حسین
              - امام شاہ
                - زاہد حسین
                - امیر حسین
                - عمران حسین
            - سید انگل شاہ
              - حبیب اللہ شاہ
              - سفید شاہ
              - جنید شاہ
              - یعقوب شاہ
                - مجاہد حسین
                - آفتاب حسین
                - اجمل
                - بلال
              - سلطان شاہ
                - مزمل حسین
                - کشور حسین
                - طارق حسین
              - جعفر شاہ
            - سلطان شاہ (لاولد)
          - محمد شریف شاہ — اکبر شاہ — حیدر شاہ — معصوم شاہ
            - اکبر شاہ
            - سلطان شاہ
            - صادق شاہ

شجرہ سادات پیر سباک
موضع بوٹا (ضلع اٹک)
سرائے نورنگ (بنوں)
بعیت الغریب، پیر سباک
(تحصیل نوشہرہ)

- پیر سید فریدالدین
  - پیر سید زین الدین
    - مسعود شاہ — محمد اعظم — محمد اشرف — میر اویس شاہ
      - زیور شاہ — مکمل شاہ
        - امیر بادشاہ
          - شیر بادشاہ
          - لعل بادشاہ — فاروق
          - اکبر شاہ
          - علی گوہر
          - علی صدر برگ
          - شمشیر
          - علی اکبر
          - یعقوب علی شاہ
        - انور شاہ
        - چندن شاہ
        - چنار شاہ
          - شاہجہان شاہ
          - ذوالفقار شاہ
        - سید اکبر شاہ
          - زعفران شاہ
          - محمود
          - یوسف علی شاہ
      - میر عباس شاہ
    - سعد الدین
    - نجم الدین
    - محمد علی شاہ
    - اسد اللہ شاہ
    - عبدالشکور
    - عماد الدین
    - تیاس الدین
    - کرم الدین
    - عبدالحق
    - حافظ سید محمد عمر — سید محمد حسن
      - سید عبدالرؤف شاہ
        - سید احمد شاہ
          - امام شاہ
            - شیر شاہ
            - جعفر شاہ
            - جنان شاہ
              - زلف شاہ — ذوالفقار شاہ
              - محبوب شاہ — واجد علی شاہ
              - گلاب شاہ
            - حضرت شاہ
              - اقبال حسین شاہ
              - عبداللہ شاہ
                - منصور احمد شاہ
                - ظہور احمد شاہ
                - مسعود احمد شاہ
          - عالم شاہ
        - سید محمد شاہ — محمد حسین شاہ
          - سید عبدالرزاق شاہ
            - میر گل شاہ
            - محمد اکرم شاہ
            - سفید شاہ
            - جنید شاہ
            - رحمت شاہ
          - سید امیر شاہ
            - احمد حسن
            - محمد حسن
            - سید افضل شاہ
        - سید حیدر شاہ — قاسم شاہ
          - بہادر شاہ
            - طلاوت شاہ
            - سجاول شاہ
          - مظفر شاہ — جہان شاہ
          - سلطان شاہ — عثمان شاہ
      - سید یحییٰ
        - جعفر شاہ
          - علی اکبر شاہ
            - فردوس شاہ
            - امیر حسین شاہ
              - الطاف حسین شاہ
              - محبوب شاہ
          - سید اکبر شاہ
            - نذیر شاہ
            - عبداللہ شاہ
              - پائیز شاہ
              - امان اللہ شاہ
            - مبارک شاہ — فیروز شاہ
        - ذکریا شاہ — فضل شاہ — نورا شاہ
          - محمد شاہ
            - دلاور شاہ
            - انور شاہ
          - قادر شاہ
        - علی اصغر — غلام فرید شاہ
          - حیدر شاہ
          - عام مختیار شاہ
          - سید محمد ایوب شاہ
          - عنایت حسین شاہ
          - زاہد حسین شاہ

خاندانِ راقم الحروف

راقم الحروف کا نسب نامہ یوں ہے :-
الطاف حسین شاہ ، چراغ حسین شاہ ، اختر حسین شاہ ابناں کیپٹن (ریٹائرڈ) الحاج سید حلیم شاہ بن علی اکبر بن حضرت شاہ بن مظفر شاہ بن اعظم شاہ بن حمید شاہ بن مہر محمد بن محمد علی شاہ بن سید زین الدین ؒ (بحوالہ بیاض سید یحییٰ شاہ بن سید رضا شاہ بن حضرت شاہ)

" بموجب شنید از بزرگان سید مسعود شاہ (آف کٹرکی) کا ہمعصر اعظم شاہ ساکن بتی سر تھا۔ بوقت حکومت سکھ پیر سباک مقابل نوشہرہ ، سید مسعود شاہ نے ذاتی ناراضگی کی وجہ سے پیر اعظم شاہ کی بے عزتی کی۔ بدیں وجہ اس نے غیرتِ ایمانی کی بناء پر پیر سباک چھوڑ دیا اور بتی سر وارد ہوا۔ لیکن چند دنوں کے بعد سکھوں نے مسعود شاہ کے گھر والوں کی بے حجابی کرنی چاہی تو وہ کٹرکی وارد ہوا۔ اعظم شاہ اسے وگی سے جنوب کو کٹرکی کے راستے میں بیر والے تالاب المعروف "بیرے اوتا" چراگاہ میں مل گئے۔ جبکہ اعظم شاہ تالاب کے کنارے سویا پڑا تھا۔ سید مسعود شاہ نے اس کے دونوں پاؤں ایک ہی وار میں کاٹ دیئے۔ اعظم شاہ نے چونکتے ہی اس کی تلوار پکڑی اور ایک پیر سے پکڑ کر ایک ہی بھرپور وار میں اسے قتل کر دیا۔

اعظم شاہ کا بھائی علی اکبر جنگ پیر سباک میں شہید ہوا۔ (بحوالہ حاشیہ تفسیر یعقوب چرخی ؒ کاتب پیر مظفر شاہ ۱۲۷۷ء

برادرم الطاف حسین شاہ ایم اے سیاسیات۔ اسلامیہ کالج پشاور کی خیبر یونین کے ۱۹۶۴ء میں صدر رہ چکے ہیں۔ آجکل ڈائریکٹر انٹرنیشنل پوسٹل سروس اسلام آباد ہیں۔

زاں بعد جلدین خیل کے چیرواہے گفت و شنید کے بعد اٹھا کر وگی سے گھر لے آئے وہاں سے نزیوب رحمت خان کے گھر کے عقب میں جس کا نام "جماعت کہ" مشہور ہے۔ سلسلہ پیری مریدی شروع کیا۔ بدیں وجہ ہم قوم جلدین خیل کے ساتھ ملحق سمجھے جانے لگے۔ پھر وہاں سے بتی سر میں حلیم خان ولد کرم دین ساکن بتی سر کے گھر سے اوپر مشرق صدر خان اور شیر گل ولد علی شیر خان ولد کرم دین مذکور کے زمین کے مقامِ اتصال پر "جماعت کہ" نام کھنڈرات ابھی موجود ہیں اور تعظیماً اب بھی محفوظ ہیں۔

جب مظفر شاہ پسر ش کی شادی کا مسئلہ درپیش ہوا تو موجودہ آبادی سادات بتی سر جو ایک ڈھیری ہے کو مرکزی اور پردہ دار محفوظ مقام سمجھ کر راستے کے جنوب کی طرف "ستراکوٹہ (بڑا کمرہ)" حالیہ قابض سید یحییٰ شاہ ولد سید رضا شاہ تیار کروایا۔ عبادت کے لئے۔ نقاب شاہ ولد مخدوم شاہ کا مال مویشی کا موجودہ کمرہ جس کی چھت میں دو ناڑے لگے ہیں اور دو دروازے ہیں مسجد تھی۔ موجودہ مسجد و حجرہ بعد میں حضرت شاہ نے تعمیر کروائے ہیں۔ یعقوب شاہ ولد گلاب شاہ ولد حضرت شاہ کے گھر کے ایک کمرے میں کتابوں کی ایک ضخیم لائبریری تھی۔

میرے جدِ امجد اعظم شاہ بوجہ خاندانی مخاصمت کے موضع بیت الغریب سے اٹھ کر موضع بتی سر (ضلع میانوالی ، علاقہ بھنگی خیل خٹک) میں آباد ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے والد حمید شاہ بھی ان کے پیچھے بتی سر آئے۔ میرے والد محترم حاجی الحرمین کیپٹن سید حلیم شاہ ۱۹۴۰-۴۱ء کے لگ بھگ بتی سر سے چل کر موضع تاجہ زئی (ضلع بنوں) میں آباد ہوئے۔ وہ ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔

میرے نانا کا آبائی وطن موضع تنگر (ضلع کیمبل پور) ہے۔ وہ ۳-۲۰-۱۹۲۹ء

کے آس پاس موضع ننگر کو چھوڑ کر موضع خواجہ خیل (ضلع بنوں) تشریف لائے۔ کچھ سال وہاں رہنے کے بعد تاجہ زئی گاؤں میں مستقلاً آباد ہوئے۔

سادات بہی سر میں آجکل حاجی الحرمین سید یعقوب شاہ، حاجی سید حبیب شاہ، حاجی عبداللہ شاہ، میجر اعظم شاہ اور سید امیر شاہ پسران سید گلاب شاہ، سید نقاب شاہ و قاسم شاہ پسران سید مخدوم شاہ اور سید یحییٰ شاہ، میجر حاجی منور شاہ، مرتضیٰ شاہ پسران سید رضا شاہ معروف اور قابل ذکر افراد ہیں۔

شاہان و اُمراءِ وقت کے ساتھ تعلقات

پیر سباک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد بادشاہ و امراء سے زیادہ تر دور ہی رہے اور سیاسی کشمکشوں اور لڑائی جھگڑوں سے دور تعلیم و تزکیہ اور تربیت و اصلاح میں مشغول رہے لیکن اس کے باوجود شاہانِ وقت پر جب بھی بُرا وقت آیا وہ طلبِ دعا کے لئے ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ ملنگ نے بادشاہِ دہلی کی ایک درخواست دربارہ دعا و توجہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ جہانگیر نے پیر سباک رحمۃ اللہ علیہ کو جاگیر دی جس کی بعد میں مختلف حکمران وقتاً فوقتاً توثیق کرتے رہے۔ ان قبالوں میں جہانگیر کے علاوہ فرخ سیر، تیمور شاہ، شاہ زمان اور شہباز خان خٹک کی دی گئیں سندات آج بھی محفوظ ہیں جن میں ان بزرگوں کا عزت و احترام سے ذکر کیا گیا ہے ان کو مشیخت

تاریخ وفات والد بزرگوارم - ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء بعمر ۶۸ سال

تاریخ وفات وقار حسین گل۔ یکم شوال ۱۴۰۱ھ بمطابق یکم اگست ۱۹۸۱ء بروز عید بعمر تقریباً ½۱ سال

وسیادت پناہ اور حقائق و معارف آگاہان اور لطائف جلیلہ جیسے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔

"تاریخ پشاور" میں تیمور شاہ ابن احمد شاہ ابدالی کے زمانے کا ایک واقعہ یوں تحریر ہے:۔

"نوشہرہ کلاں پہلی دفعہ ویرانی دیہہ کا حال اس طرح پر ہے کہ زمانہ تیمور شاہ میں بارتکاب جرم قتل کمال الدین نام ملازم شاہی جس کو باشندگانِ دیہہ نے مار دیا تھا اور پہلے اس کے بیٹے نامعلوم الاسم کو جو اپنے زمانے کا نہایت وجیہہ و صبیح تھا بھی کسی بدمعاش ساکن دیہہ ہذا نے قتل کیا تھا تو یہ گاؤں معرضِ عتاب میں آکر بحکم تیمور شاہ جلایا گیا۔ باشندگان دیہہ دیہات قرب وجوار اور علاقہ غیر کو بھاگ گئے۔ ایک مہینہ تک گاؤں بے چراغ رہا۔ آخر الامر بشفاعت سادات پیر سباک و بیت الغریب جب قصور باشندگان کا حضور شاہی سے معاف ہوا تو سب لوگ آکر مرمت اپنے اپنے مکانات کے آباد ہوئے"۔

اس وقت پیر سباک قوم کے معتبرین میر محمد حسن، پیر معظم شاہ اور عالم شاہ تھے۔ خوشحال خان خٹک اور ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ تعلقات اور ان کے خاندانِ پیر سباک" کے ساتھ عقیدت و ارادت کا حال تو اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ شہباز خٹک نے جو قبالہ دیا ہے اس میں پیر میر مشرف[۲۹] کو نقاہت، نجابت پناہ کے ساتھ عزیز القدر[۳۰] لکھا ہے۔ یہ ۱۲ شعبان ۱۲۰۰ھ کا واقعہ ہے۔

سکھوں کے زمانے میں جب پہلی بار مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اٹک کے اس پار قدم رکھا تو پشتونوں کے مختلف قبائل: یوسف زئی، خٹک، مہمند وغیرہ نے مل کر پیر سباک کے مقام پیران سے سخت جنگ کی۔ لیکن دوست محمد خان والئے

کابل کے بھائی میر اعظم خان کی بے اعتنائی کی وجہ سے مجاہدین ناکام ہو گئے اس جنگ کو "جنگِ مومنین" بھی کہتے ہیں۔ پیر بابا ؒ کی اولاد میں میاں اکبر شاہ نے اس وقت پشتونوں کے لشکر کی کمان کی۔ پیر سبا کی بزرگوں نے اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شکست کھانے کے بعد سب سے بڑی آفت کا سامنا بھی انہی کو کرنا پڑا۔ گھر ویران ہو گئے، جائیداد چھن گئی، دنیاوی عزت و وقار کا خاتمہ ہوا لیکن ان بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ سب تکلیفیں برداشت کیں۔ دور دراز مقامات پر منتشر ہو گئے۔ کوئی جنگلوں میں چلا گیا تو کسی نے صحرا میں بود و باش اختیار کی لیکن رشد و ہدایت اور تزکیۂ مخلوقِ خدا کا کام جاری رکھا۔

۱۸۲۳ء کی اس جنگِ پیر سباک میں سکھوں کا مشہور سردار پھولا سنگھ نہنگ مارا گیا۔ اس کی لاش موضع پیر سباک میں جلائی گئی۔ اس پر سمادھی بنائی گئی اور نصف گاؤں کو نہنگوں کی جاگیر قرار دیا گیا۔ اس عمارت میں آج کل ایک زرعی تحقیقاتی فارم قائم ہے۔

انگریزوں کے وقت میں اور آزادی کے بعد پیر سبا کی خاندان کے افراد زیادہ تر ملازمت پیشہ، زراعت پیشہ اور تجارت پیشہ ہیں لیکن بعض خوش نصیب آج بھی اپنے آبائی طریقِ کار کو قائم رکھتے ہوئے تزکیہ، تعلیم اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے آباء و اجداد کے صحیح راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔ کہ اس ذات پاک کی طرف سے نجات و عافیت اسی میں ہے۔

پیر سباکی شعراء

نہ ہو کچھ آپ تو کیا فائدہ ہے ٭ فلاں ابن فلاں ابن فلاں سے

(یہ مضمون ایک خصوصی مقالہ کا اردو ترجمہ ہے جو میں نے ۹ جون ۱۹۷۸ء کو لکھا تھا)

صوبہ سرحد اس لحاظ سے ایک انتہائی بدقسمت علاقہ ہے کہ اس علاقے کے قدیم مشائخ عظام اور علمائے کرام کے مستند حالاتِ زندگی بہت کم لکھے گئے ہیں۔ اگر کہیں تھوڑی بہت معلومات ہاتھ آبھی جائیں تو گڈمڈ روایات کی شکل میں جو تصدیق کے درجے کو نہیں پہنچ پاتیں اور اس کے ساتھ کبھی کبھی شرافت مقدسہ کی روح اور علم تاریخ کے بنیادی اصولوں کے بھی خلاف ہوتی ہیں۔ آج اس مقالہ میں ہم ایک ایسے ہی آستانہ دار گھرانے کے ان بزرگوں کا ذکر کریں گے جو شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے لیکن ان کا کلام آج تک اکھٹا نہیں کیا گیا۔ امید ہے کہ ادبیات کے شائقین کے لئے یہ مضمون باعثِ دلچسپی ہوگا۔

پیر سباکی سادات پشاور کا ایک مشہور و معروف اور عزت مند گھرانہ ہے جو اپنے جدامجد حضرت پیر سباک قدس اللہ سرہٗ العزیز کے نام سے موسوم ہے۔ یہ قبیلہ ضلع پشاور کے بعض دیہات مثلاً پیر سباک، بیت الغریب اور شیدو کے علاوہ کوہاٹ، بنوں، اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اضلاع میں بھی آباد ہے۔ اس کے بعض گھرانے صوبہ پنجاب کے اضلاع میانوالی اور اٹک میں بھی قیام پذیر ہیں۔ اس کے علاوہ برما اور بھارت کے صوبہ آسام وغیرہ میں بھی ان کی اولاد پھیل گئی ہے۔ ان پیر سباک رحمۃ اللہ علیہ کے تین بیٹے تھے:۔ فریدالدین، رکن الدین اور رحیم الدین۔ بعض شجروں اور تاریخ

مرصع میں ایک چوتھے بیٹے کا بھی ذکر شہاب الدین کے نام سے کیا گیا ہے۔ سید فریدالدینؒ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۰۲۵ھ میں ان کے جانشین اور طریقہ عالیہ سہروردیہ میں ان کے ماذون مقرر ہوئے۔ فریدالدین کی وفات کے بات یہ گدی ان کے چھوٹے بیٹے پیر زین الدینؒ کو ملی۔ زین الدینؒ اپنے وقت کے عالم فاضل بزرگ اور جہاندیدہ عالمِ دین تھے۔ اس وقت کے اکثر کم علم علماء و مشائخ ان کے ساتھ کدورت رکھتے تھے۔ مناظروں اور علمی مباحثوں میں ثالثی کا کام اکثر ملتان اور لاہور کے علمائے کرام سرانجام دیتے تھے اور فیصلہ ہمیشہ پیر زین الدین کے حق میں ہوتا۔ زین الدین کے مناقب ان کے مریدوں نے لکھے ہیں۔ حضرت خواجہ ملنگؒ نے نظم میں اور قفل حسین ولد عبدالصمد نے نثر میں ان کے فضائل بیان کئے ہیں۔ ملنگ ایک خوش بیان شاعر، عالم اور ادیب بزرگ تھے اور اس جلیل القدر خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس میں دعا محمد شمیم اور خواجہ محمد صدیق جیسے اور عالم اور شاعر بھی پیدا ہوئے۔

ان کی ان مناقب سے پتہ چلتا ہے کہ پیر زین الدین کثیر التعداد کتابوں کے مصنف تھے۔ انہوں نے اپنے اشعار کو مثنوی کی صورت میں جمع کیا تھا۔ ان کی ان تصنیفات میں "بقعتہ الاربعین" نامی کتاب کا ایک خوشخط قلمی نسخہ راقم الحروف کے پاس آج بھی موجود ہے۔ یہ کتاب علمی لحاظ سے کافی قیمتی اور بلند پایہ ہے تصوف اخلاق اور علم الکلام کے باریک مسائل کو چالیس سے زائد احادیث کی تفسیر اور تشریح کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔

پیر زین الدینؒ علم ظاہری میں حضرت اخوند محمد چالاکؒ اور حضرت خواجہ محمد یونس گیلانیؒ کے شاگردِ رشید تھے اور طریقہ عالیہ سہروردیہ میں حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ

کے مصاحبین میں شامل تھے۔ حضرت سرالاعظم یحییٰ اتکی ان کے پیر بھائی اور ہم درس تھے۔ "مناقب زین الدین" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر زین الدینؒ کی وفات کے بعد شیخ یحییٰ اتکیؒ ان کی فاتحہ خوانی کے لئے بیت الغریب تحصیل نوشہرہ تشریف لائے تھے اور مزار مبارک پر مراقبہ بھی فرمایا تھا۔ شیخ یحییٰؒ نے ۱۱۳۱ھ میں عالم بقا کی طرف کوچ کیا۔ اخوند چالاکؒ جو روحانی اور عرفانی مرتبہ رکھنے کے علاوہ ایک فاضل عالم، ادیب اور مورخ بھی تھے۔ ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوئے۔ ان تفصیلات کے بیان کرنے کے بعد بڑی آسانی کے ساتھ پیر زین الدینؒ کے زمانے کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ زین الدینؒ اپنے ایک شعر میں اپنے ان اساتذہ کا ذکر یوں کرتے ہیں ؎

ابتدائے علومش ز چالاک بود   منتہائے علومش ز (یونس) افلاک بود

پیر زین الدینؒ کے ایک پوتے میر محمد شاکر شاکر بھی فارسی زبان کے ایک بہترین شاعر اور ادیب تھے ۱۱۸۶ھ تک بقید حیات تھے۔ ان کی ایک عارفانہ رباعی بہت مشہور ہے ؎

کنج عزلت ز گنج شاہی بہ   شکر دایم ز گاہ گاہی بہ
یکدمے یاد او با آگاہی   ز افسر و تاج شاہی بہ

شیخ المشائخ قدوۃ السالکین حضرت پیر سباکؒ کے تیسرے بیٹے رحیم الدین کی اولاد میں پیر محمد فاضل اور پیر معظم شاہ دو نامور ادیب اور شاعر گزرے ہیں۔ فاضل محقق عبدالحئی حبیبی نے اپنی تالیف "پښتانه شعراء" میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: "اس شاعر کو ایک تو ہم 'کلید افغانی' کی وجہ سے اور دوم راورٹی قاسم علی آفریدی کے ایک قصیدے کے حوالے سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا اور کلام اور

حالات معلوم نہیں۔ بس "کلید افغانی" میں پادری ہیوز نے ان کے کلام کے تین نمونے نقل کئے ہیں۔ فاضل کا کلام عاشقانہ ہے اور جدت کی طرف مائل ہے۔

رئیس المحققین قاضی عبدالحلیم اثر صاحب نے "تیرہ ہیر شاعران" کے عنوان کے تحت رسالہ "خیبر" کے ۱۹۶۸ء کے سالنامے میں دو اشخاص کا ذکر کیا ہے جو فاضل کے نام سے گزرے ہیں۔ راقم الحروف کے نام ایک خط میں فاضل مؤلف نے باپ بیٹے دونوں کا ذکر بطور شاعر کیا ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق پیر محمد فاضل ایک عالم فاضل بزرگ اور مجاہد غازی تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے ہمراہ ہندوستان کے جہاد میں شریک ہوئے تھے۔ ان روایات کے مطابق اگرچہ فقیر منش اور صوفی طبع بزرگ تھے لیکن ان کا کلام اس کے برعکس بہت رنگین اور عاشقانہ ہے۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:۔

سرو که لیده شی دَ چمن تازه تازه
ستا حسن تر ونیم ماهِ من تازه تازه
نومِ دَ مخروئے شان شوکت دِ دَ پیریٔ
ملا دِ ده نریٔ بنه دِ رفتن تازه تازه
زلفِ دَ سنبل دی یا نبامار دی په چند سرو
یا دواړه نافے دی دَ ختن تازه تازه
ساه دا څنے خیژی روح م پاس راغے په شونډو
راوړه په خسته بانده دیدن تازه تازه
وائیٔ رقیبان چه له آشنا سره مه خانده
نه دی چرے زدکړی د دښمن تازه تازه

گرچه که سمن د گلستان تر د تازه دے
ستا جبین سل ځله تر چمن تازه تازه
کوره ستاله مینے زړهٔ ئے ډک دے ویے وینے
رحم کړه شیرینے په کوه کن تازه تازه
سترگے د یعقوب[ع] در باندے ځکه شوے روښنانے
بوی تا د یوسف[ع] د پیراهن ستا زه تازه
ساز دے ښه مجلس دے ښه یاران سره راجمع
وایه اے فاضل هر سخن تازه تازه

فاضل نے ۱۱۸۱ھ سے پہلے وفات پائی۔ کیونکہ "تواریخ رحمت خان" کا مؤلف پیر معظم شاہ جو فاضل کا بیٹا ہے اپنے والد کے نام کے ساتھ تاریخ حافظ رحمت خان کی تالیف کے دوران مرحوم و مغفور لکھتے ہیں۔ راورٹی نے قاسم علی آفریدی کے جس قصیدے کا ذکر کیا ہے اس میں فاضل کا ذکر یوں آتا ہے ؎

الله داد و کریم داد که درویزه ود۔ جان محمد اولیٰ فاضل ود په دنیا

اس قصیدے سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل قاسم علی آفریدی سے پہلے گزرے ہیں قاسم علی آفریدی کا زمانہ ۱۱۸۳ھ تا ۱۲۳۱ھ متعین کیا گیا ہے۔ فاضل کے ساتھ ایک اور شاعر جان محمد کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ جان محمد احمد شاہ بابا کے زمانے کا ایک عالم اور دیندار شاعر تھا۔ پښتو نخواہ میں اپنی کتاب "نور نامے" کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔

محمد فاضل کا بیٹا پیر معظم شاہ اپنی تالیف "تواریخ حافظ رحمت خان" کی وجہ

سے شہرت رکھتے ہیں۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۱۸۱ھ میں حافظ رحمت خان شہید کے حکم پر یوسف زئیوں کی ایک قدیم تاریخ سے تلخیص کی ہے۔ پیر معظم شاہ ۱۲۰۸ھ تک زندہ تھے۔ تیمور شاہ اور شاہ زمان دونوں کا عہد دیکھا تھا۔ ایک تاریخی واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں باپ بیٹا سدوزئی دربار میں مقبول و مکرم تھے۔ فاضل کا خاندان آج اپنے جد امجد رحیم الدین کے نام کی مناسبت سے "رحیمدین خیل" کہلاتا ہے۔

محمد معظم شاہ عالم، ادیب اور مؤرخ ہونے کے ساتھ ایک صاحب طرز شاعر بھی تھے۔ اپنی تواریخ کی کتاب کے بعد اس کے خاتمے پر انہوں نے جو اشعار موزوں کئے ہیں ان سے ان کی قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ حافظ الپوری کے ساتھ محققین جس معظم کا ذکر کرتے ہیں اور جسے صاحبِ دیوان شاعر سمجھا جاتا ہے وہ یہی معظم شاہ ابن محمد فاضل تھے۔ یہ موضوع تفصیلی بحث کا متقاضی ہے۔

اپنی کتاب کا خاتمہ ان اشعار سے کرتے ہیں ؎

شکر شکر چه مکتوب شهٔ   دا کتاب په ښه اسلوب شهٔ
دا کتاب اول طویل وو   ډیر په دهٔ کښے قال و قیل وو
طویل هر څوک ه ډیر ښه وی   بارے بیا تر ے ملال زړهٔ وی

اس سے پہلے حافظ رحمت خان شہید کے شائستہ اخلاق و صفات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں ؎

چه په هند کښے لکه نور دے   تمام هند پرے منور دے
په ښه خوئ خصلت موصوف دے   په وگړی کښے معروف دے
په هر علم کښے فهیم دے   ډیر په شرعه مستقیم

شان وشوکت ئے دَ امیر دے　　　　خوئی خصلت ئے دَ فقیر دے

محمد حسن ابن حافظ عمر ابن زین الدین کی اولاد میں شیخ الاساتذہ حضرت شاہ یحییٰؒ ایک عالمِ دین بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے "منتخب" کے نام سے عقائد کی ایک کتاب پشتو زبان میں لکھی تھی جس میں اکثر حوالے عربی کی ایک کتاب "عقائد نسفی" سے ماخوذ ہیں۔ شاہ یحییٰؒ پشتو اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ اپنے بیٹے کی ناگہانی موت پر جو دردناک مرثیہ لکھا، اس کے چند متفرق اشعار جو اس وقت مجھے یاد رہ گئے ہیں درج ذیل ہیں۔ بیٹے کا نام سید حسین تھا جو مسجد کے کنوئیں میں گر گیا تھا ؎

په هوس هوس دا تللے　　　　تو د کوئ ته پریوتلے
تا به کوری وی په تودتم کښې　　　　په سوسوشانے چغار ونه
سید حسین زویه راشه دا ښکاره که　　　　دا سرے شو نړے سپین غاغونه
په همزولو کښې دے دا شم　　　　نه دے وینم په ژړا شم

ان کے علاوہ محمد علی شاہ ابن زین الدین کی اولاد میں سیدنا مولانا الشیخ الفاضل والعارف الکامل پیر مظفر شاہ جو راقم الحروف کے جدامجد تھے ایک بہت بڑے ولی اور عالمِ دین تھے۔ ان کا کتب خانہ آج تک مشہور ہے۔ افسوس ہے کہ ناقدرشناس اولاد نے وہ قیمتی کتابیں یا تو دریا بُرد کر دیں یا اوروں کے حوالے کر دیں۔ بھنگی خیل خٹک ان کے ساتھ بے پناہ عقیدت رکھتے تھے بلکہ یہاں تک مشہور ہے کہ خوش عقیدہ بھنگی خیل اپنی جہالت کی وجہ سے ان کے نام کی قسم اٹھاتے تھے۔ آج بھی ان کے مقبرے میں لوگ اپنی قیمتی اشیاء اماتناً رکھتے ہیں اور کوئی انہیں ہاتھ نہیں لگاتا۔ مزار مبارک کے احاطے کا دروازہ دو بڑی پتھروں کی سلوں سے بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگلے وقتوں میں

حرامی اور حلالی اولاد میں فرق کرنے کے لئے انہیں اس دروازے سے گزارا جاتا تھا۔ اگر نسب میں کچھ غلطی ہوتی تو دروازہ خود بند ہو جاتا۔ لیکن آج کل زمانے کی گردش کی وجہ سے وہ دروازہ بالکل ہی بند ہے۔

پیر مظفر شاہ کے زمانے کی چند مہریں اب بھی ہمارے خاندان کے پیر عبداللہ شاہ کے پاس موضع بتی سر میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک مہر پر تاریخ ۱۲۶۷ھ درج ہے۔ دو مہروں پر قاضی نورالدین اور قاضی صاحب دین کے نام علیحدہ علیحدہ کندہ ہیں دور دراز سے جو بھی فتوے فتادے آتے، ان پر جدم بزرگوارم پیر مظفر شاہ کی طرف سے یہی دو قاضی صاحبان مہر ثبت کر دیتے۔ راقم الحروف کے پاس ایک خوشخط قلمی کتاب موجود ہے جس میں مندرجہ ذیل کتابوں کے اقتباسات درج ہیں۔

(۱) رشید بیان از ملا عبدالرشید (۲) رسالہ از اخوند درویزہؒ (۳) نور نامہ از جان محمد (۴) مناجات از علی خان (۵) ۱۳ دیگر مسائل۔

یہ کتاب پیر مظفر شاہ نے بتاریخ ۳۲ ماہ صفر ۱۲۷۴ھ کو اپنی خواہر زادی بی بی رقیہ کے لئے نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ فقہ کی مشہور کتاب "کنزالدقائق" بمعہ عربی تشریح و تفسیر ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے۔ ان کے ایک فتوے کی نقل بھی راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

پیر مظفر شاہ کی اولاد میں حبیب شاہ اور علی اکبر شاہ نام کے دو بزرگوں کا ذکر آتا ہے۔ جن کا ایک آدھ شعر ناقدرشناس اولاد کو بطورِ تبرک یاد ہے ؎

آخر به شی پاتے سیاهی په کاغذ باندے
حبیب شاه غریب به شی تر خاورو لاندے

پچھلے دنوں ایک اور کتاب میرے ہاتھ لگی ۔ اسے پیر محمد مظفر شاہ ابن سیادت پناہ محمد اعظم شاہ نے ۔ ۱ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ قلمی کیا ہے ۔ کتاب " قصۃ المشائخ " ہے جو خواجہ محمد زاہد نے لکھی تھی ۔ اس کتاب کے اب تک تین قلمی نسخے مل چکے ہیں ۔ اس قلمی نسخے کے اختتام پر پیر مظفر شاہ نے اوپر والا شعر یوں لکھا ہے :

سیاھی یو پاتے شے بکاغذ باندِ
دہ فقیر مظفر بو شئے تر خاورو لاندِ

شجرہ پیر سباک رحمتہ اللہ علیہ

اب تک مجھے پیر سباکیوں کی مختلف شاخوں کے کئی شجرے ، اولادِ حضرت شاہ منصور کے دو شجرے ۔ میاں جی خیل خاندان کا ایک شجرہ اور چالاک خیلوں کے دو شجرے ہاتھ آئے ہیں ۔ ان سب شجروں میں ایک شجرے وہ ہیں جو معمولی رد و بدل کے ساتھ اوچ سادات کے شجروں کے ساتھ ملتے ہیں ۔ دوم وہ شجرے جو امام موسیٰ کاظم تک تو پہنچتے ہیں لیکن جن میں اوچ شریف کے بزرگوں کا ذکر نہیں ہے ۔

پیر سباکیوں کے شجروں کا ماخذ اولین " قصۃ المشائخ " نام کی کتاب ہے ۔ اس کے صفحہ ۱۰۳ پر جو شجرہ دیا گیا ہے وہ چالاک خیلوں کے شجرے سے ملتا ہے ۔ شجرہ یوں ہے ۔

پیر سباکؒ[۱] ابن سید ابابکر[۲] ابن سید اسمٰعیلؒ[۳] ابن سید امیر علی[۴]
ابن میر کلانؒ[۵] ابن قلندر شاہ[۶] ابن سید ولی[۷] ابن سید سلیمان[۸] ابن
میر قطب الدین[۹] ابن سید سلطان[۱۰] ابن سید عبد الرحمٰن[۱۱] ابن سید احمد[۱۲]
ابن مولانا محمد[۱۳] ابن سید شمس الدین[۱۴] ابن میر حمید الدین[۱۵] ابن سید علی کبیر[۱۶]
ابن سید طاہر[۱۷] ابن میر یعقوب[۱۸] ابن سید بہاؤ الدین[۱۹] ابن سید جلال الدین[۲۰]
ابن سید یوسف[۲۱] ابن درویش[۲۲] ابن مولانا جمشید[۲۳] ابن عالم شاہ[۲۴]
ابن میر عبد اللہ[۲۵] ابن سید بہادر[۲۶] ابن سید کبیر[۲۷] ابن سید بہلول[۲۸]
ابن خواجہ علی[۲۹] ابن مولانا سید تجبر[۳۰] ابن سید القادر[۳۱] ابن سید شہاب الدین[۳۲]

ابن مولانا رکن الدین[۳۳] ابن مولانا شاہ محمد[۳۴] ابن سید خیر الدین[۳۵] ابن سید علاؤ الدین[۳۶]
ابن امام موسیٰ کاظم[۳۷] ابن امام جعفر صادق[۳۸] ابن امام محمد باقر[۳۹] ابن امام زین العابدین[۴۰]
ابن امام حسین[۴۱] ابن حضرت علی کرم اللہ وجہہ[۴۲]

شجرہ پیر تحصیل لکی (ضلع بنوں) اولاد پیر چالاک برادر پیر سیاکؒ یوں ہے:-

سید چالاک[۱] ابن سید ابوبکر[۲] ابن سید اسمٰعیل[۳] ابن سید امیر علی[۴]
ابن سید کلاں[۵] ابن سید قلندر[۶] ابن سید ولی[۷] ابن سید سلیمان شاہ[۸]
ابن سید قطب الدین[۹] ابن سید علی[۱۰] ابن سید سلطان شاہ[۱۱] ابن سید محمد[۱۲]
ابن سید شمس الدین[۱۳] ابن سید یعقوب شاہ[۱۴] ابن سید بہاؤ الدین[۱۵] بن چالاک الدین[۱۶]
ابن سید یوسف شاہ[۱۷] ابن سید درویش محمد[۱۸] ابن سید حمیتسر[۱۹] ابن سید عالم شاہ[۲۰]
ابن سید عبید[۲۱] ابن سید بہاؤ الدین[۲۲] ابن سید کبیر[۲۳] ابن سید خواجہ علی مجید[۲۴]
ابن سنجر[۲۵] ابن سید عبدالقادر جورنج[۲۶] (جیو رحمۃ اللہ علیہ)
ابن سید کمل الدین[۲۷] ابن رکن الدین[۲۸] ابن سید شاہ[۲۹] ابن خیر الدین[۳۰]
ابن علی الدین[۳۱] ابن سید موسیٰ کاظم[۳۲] ابن سید جعفر صادقؑ[۳۳] ابن امام باقرؑ[۳۴]
ابن امام زین العابدینؑ[۳۵] ابن امام حسین علیہ السلام[۳۶] ابن امیر المومنین حضرت علی[۳۷] کرم اللہ وجہہ

یہ شجرہ ۱۳۳۸ھ کو لکھا گیا ہے۔ کاتب نامعلوم الاسم ہے۔

کتاب قصۃ المشائخ کے خاتمے پر پیر سیاکیوں کی مختلف شاخوں کا جو مفصل شجرہ نسب درج ہے اس میں پیر سیاک قدس سرہٗ کا شجرہ حضرت سید جلال سرخ بخاری (اوچ شریف) کے واسطے سے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے جا کر ملتا ہے۔ یوں ہے:-

پیر سید محمود ملقب بہ پیر سیاکؒ[۱] ابن سید ابابکر[۲] ابن شاہ اسمٰعیل[۳] ابن سید میر علی[۴]
ابن سید میر کلاں[۵] ابن میر قلندر شاہ کریم[۶] ابن سید میر ولی اللہ[۷] ابن سید سلیمان[۸]
ابن سید قطب الدین[۹] قطب عالم ابن سید علی کبیر[۱۰] ابن شاہ سلطان[۱۱] ابن شاہ عبدالرحمٰن[۱۲]
ابن سید احمد[۱۳] ابن سید محمود[۱۴] ابن سید رکن الدین[۱۵] ابن سید حامد کبیر[۱۶]
ابن سید ناصر الدین[۱۷] ابن سید جلال سبز بخاری[۱۸] ملقب بہ مخدوم جہانیاں ابن قطب زمان
سلطان سید احمد کبیر[۱۹] ابن سید جلال سرخ بخاری[۲۰]۔

سیادت پناہ سید قمر الدین منصور خیل کا شجرہ جو ۴ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ کو سردار محمد عیسیٰ خان نے سپرد قلم کیا ہے۔ وہ بھی حضرت مخدوم جہانیاں کے واسطے سے حضرت امام موسیٰ کاظم سے جا ملتا ہے۔

سید جلال الدین حسین[۲۰] جلال اعظم شیر شاہ میر سرخ بخاری (ولادت ۵۹۵ھ وفات ۔ ۶۹۰ھ مزار مقدس اوچ شریف) ابن سید ابی المؤید علی[۲۱] (مؤید الدین اللہ) ابن سید جعفر[۲۲] (رحمت اللہ) ابن حضرت محمد[۲۳] (صفی اللہ) ابن سید محمود[۲۴] (مختار اللہ) ابن سید احمد[۲۵] (مقبول اللہ) ابن سید عبداللہ[۲۶] (اسلام اللہ) بن سید علی اصغر[۲۷] (جمیل اللہ) بن سید جعفر ثانی[۲۸] (جلیل اللہ) بن سید امام علی النقی[۲۹] (متصف باخلاق اللہ) ابن سید محمد جواد التقی اللہ[۳۰] ابن سید امام سلطان علی الرضا[۳۱] ابن سید امام موسیٰ کاظم[۳۲] (محب اللہ) ابن سید امام جعفر صادق[۳۳] (نجی اللہ) ابن سید امام باقر[۳۴] (معدن علم اللہ) ابن امام زین العابدین علی[۳۵] ابن سید امام حسین[۳۶] (سید الشہداء دین اللہ) بن حضرت امام علی المرتضیٰ[۳۷] (حیدر کرار مشکل کشاء اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ)

سادات بلند خیل کا جو شجرہ مجھے جناب پیر شاہجہان سکنہ اڈمٹر پایاں پشاور کے ذریعے ملا۔ وہ بھی قصتہ المشائخ کے اندرونی صفحات کے شجرے اور پیراں ککی کے شجرے سے کافی ملتا ہے۔ شجرہ درج ذیل ہے۔

سید شاہ جہان بن حضرت شاہ بن محمد امیر شاہ بن میر شہاب الدین بن سید علی بن
سید شہزادہ بن محمد شاہ بن فیض اللہ بن آب الدین بن سید شہباز
بن سید گشتی بن سید عمر بن سید ابوبکر بن سید شاہ اسمٰعیل بن سید شاہ میر علی
بن سید میر بن سید شاہ قلندر بن سید ولی بن سید شاہ سلطان
بن سید عبدالرحمٰن بن سید احمد بن سید محمد بن سید داؤد
بن سید نور بن سید علیم شاہ بن سید طاہر الدین بن سید یعقوب
بن سید بہاؤ الدین بن سید شاہ جلال الدین بخاری بن سید یوسف شاہ بن سید شاہ محمد
بن سید حمید شاہ بن علیم شاہ بن سید بہاؤ الدین بن سید کبیر
بن سید حکیم بن سید خواجہ علی بن سید عرب شاہ شاہ عبدالقادر
بن سید بدر الدین بن سید رکن الدین بن سید شاہ محمد بن سید خیر الدین
بن علاؤ الدین بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید جعفر صادق بن امام باقر
بن امام زین العابدین بن امام حسینؓ

شجرہ مذکورہ بالا کو مشہور ماہر النساب سید تعظیم علوی نقوی ناظم آباد۔ کراچی نے مستند قرار دیا۔ (راقم الحروف کے نام خط مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۸۱ء)

کتب حوالہ جات

قصتہ المشائخ (فارسی، قلمی) مصنف خواجہ محمد زاہد۔
بضعتہ الاربعین (فارسی، قلمی) مصنف پیر زین الدینؒ۔
مناقب زین الدینؒ (فارسی نثر، قلمی) مصنف فضل حسین ولد عبد الہمدانی۔
مناقب زین الدینؒ (فارسی نظم، قلمی) مصنف مولانا خواجہ ملنگؒ۔
بیاض سید محبوب شاہ پیر سباکی (اردو، قلمی)
بیاض سید یحییٰ شاہ ابن سید رضا شاہ بتی سر (اردو، قلمی)
مناقب شیخ جی صاحب (فارسی، قلمی) مصنفہ شیخ عبد الحلیم بابا ابن کاکا صاحبؒ
مراقبات رحمکار (فارسی، قلمی) اخوند اسمٰعیل۔
تذکرۃ الابرار والاشرار (فارسی چھاپ) اخوند درویزہؒ
قبالے و سندات دربارۂ عطائے موضع شہر صفا مشہور بہ موضع پیر سباک، منجانب حکمرانانِ وقت و سردارانِ قوم بحق اولاد پیر سباک رحمتہ اللہ علیہ۔
خاندانی شجرے، ان میں پیر سباکیوں، منصور خیلوں، چالاک خیلوں اور میانجی خیلوں کے شجرے شامل ہیں۔ ان شجروں کے حاشیوں پر قیمتی معلومات درج ہیں۔
تاریخ مرصع (پشتو چھاپ) مولفہ محمد افضل خان خٹک۔
سوات نامہ (پشتو، چھاپ) خوشحال خان خٹک
مناقب فقیر جمیل بیگؒ (پشتو، چھاپ) میاں شمس الدین۔
مناقب شیخ رحمکارؒ (پشتو، قلمی) میاں شمس الدین۔

کاکا صاحبؒ (اردو چھاپ) سرفراز خان خٹک عقاب۔

پیر سباکؒ (اردو چھاپ) سرفراز خان خٹک عقاب۔

روحانی روابط (پشتو چھاپ) قاضی عبدالحلیم اثر افغانی۔

تذکرۂ رحمکارؒ (اردو چھاپ) میاں سیاح الدین کاکاخیل۔

تاریخ پشاور (اردو چھاپ) منشی گوپال داس۔

تاریخ سادات گدون (فارسی قلمی) مصنفہ محمد شاہ گندفی۔

حیاتِ افغانی (اردو) محمد حیات خان۔

دی پٹھان (اردو ترجمہ) سراولف کیرو۔

اسلام اور موسیقی (اردو چھاپ) مولانا جعفر شاہ پھلواری۔

تواریخ حافظ رحمت خانی (پشتو چھاپ) پیر معظم شاہ۔

جس کے حواشی روشن خان نے لکھے ہیں۔

پشتانہ شعراء۔ عبدالحئی حبیبی۔

شرحِ جاوید نامہ۔ یوسف سلیم چشتی۔

عرفان (جلد اول و دوم) مصنف سلطان الفقرا حضرت فقیر نور محمد سروری قادری، کلاچویؒ

ماہنامہ قند۔ جنوری فروری ١٩٧٣ء مضمون قاضی عبدالحلیم اثر افغانی۔

تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ از مولانا نور احمد خان فریدی۔ یکم ستمبر ٥٢ء

پښتانه د تاریخ په رڼا کښې۔ بہادر شاہ ظفر کاکاخیل۔

احوال العارفین مصنف حافظ غلام فرید سرگودھا۔

مخزن پشتو از اخوند درویزہؒ

قصیدہ بردہ (عربی) از حضرت امام شرف الدین محمد البوصیریؒ

ترجمہ قصیدہ بردہ (فارسی) از علامہ عبدالرحمٰن جامیؒ۔ محمد فیاض الدین نظامی

صوات نامہ حاشیے پشتو از جناب عبدالحئی حبیبی

مقالہ ادلس کوئٹہ ماہنامہ نومبر، دسمبر ١٩٧٣ء از عبدالحلیم اثر افغانی

کوہاٹ ڈسٹرکٹ گزیٹیر ٨٤ - 1983ء

کلیات خوشحال خان مرتبہ دوست محمد کامل

احوال العارفین مؤلف حافظ غلام فرید صاحب

مقدمہ خیر البیان از جناب عبدالقدوس ہاشمی

برکی بیان مصنف مولانا احمد حسن لسوندی

رسالہ الاتقاء مصنف حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

دیوان شاکر مصنف میر محمد شاکر

روضۃ الصابرین (قلمی) از صابر

خلافت و ملوکیت مصنف ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل افراد گرامی کے خطوط راقم الحروف کے نام سے بھی استفادہ حاصل کیا گیا ہے میں ان سب حضرات محترم کا انتہائی ممنون و مشکور ہوں:۔

(١) قاضی عبدالحلیم اثر افغانی۔ تخت بھائی۔ مردان۔

(٢) مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری۔ کراچی۔

(٣) میاں بہادر شاہ ظفر کاکاخیل۔

(۴) مفتی سیاح الدین کاکاخیل۔

(۵) ایوب صابر، کوہاٹ۔

(۶) محمد پرویش شاہین، ہنگورہ۔ سوات۔

(۷) سرفراز خان عقاب خٹک۔

(۸) سید فریدز شاہ اثر گیلانی۔ اکبر پورہ۔ پشاور۔

(۹) خان روشن خان۔ نواں کلی۔ مردان۔

(۱۰) محمود حسین شاہ۔ پیر سباکی۔ بھکر۔ میانوالی۔

(۱۱) مولانا سید ظفریاب حسین الحسینی ترمذی۔ بھکر۔ میانوالی۔

(۱۲) سید عبدالوہاب شاہ۔ پیر سباکی۔ کشڑکی۔ میانوالی۔

(۱۳) حاجی محراب شاہ۔ محلہ شاہ معصوم۔ پشاور

(۱۴) میاں شاکر اللہ۔ گوجر گڑھی۔ مردان۔

(۱۵) چودھری غلام محمد تدر صابری۔ کیمبل پور۔

(۱۶) سید سلطان بادشاہ۔ جنگل خیل۔ کوہاٹ۔

(۱۷) پیر سید بادشاہ۔ منصور خیل۔ کوہاٹ۔

(۱۸) سر اولف کیرو۔ سسیکس۔ انگلینڈ۔

(۱۹) مشتاق حسین شاہ بخاری۔ پیر سباکی۔ پشاور۔

(۲۰) الحاج قاری سید محمد عباس۔ الترزئی۔ کوہاٹ۔

(۲۱) پیر محمد یونس شاہ۔ کشڑکی۔ میانوالی۔

(۲۲) مولانا سمیع الحق۔ اکوڑہ خٹک۔ پشاور۔

(۲۳) حاجی محی الدین۔ منصور خیل۔ کوہاٹ۔

(۲۴) سید نوبہار شاہ سفیدہ

(۲۵) پیر شاہجہان پیر درہ اڈہ مٹہ پایاں نوشہرہ۔ پشاور

(۲۶) سید تعظیم علی نقوی۔ ناظم آباد کراچی

حواشی

۱۔ پیر محمد مظفر شاہ نے کتاب "قصۃ المشائخ" کا جو نسخہ اپنے ہاتھ سے ۱۰ رجمادی الثانی ۱۲۶۹ھ کو قلمی کیا ہے اس میں بعض جگہ سباق درج ہے جبکہ اکثر جگہ "سباک" لکھا ہوا ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سباق زمانۂ حال کی ایجاد نہیں ہے۔

۲۔ اسمار علاقہ کونڑ (افغانستان) کی تین چھاؤنیوں میں سے ایک ہے۔ پیر سباکؒ کے بڑے بھائی پیر عمر کی اولاد کُنڑ میں آباد بیان کی جاتی ہے۔ شجرہ نویس نے شاید ان کے مزار کو شاہ اسمٰعیل کے مزار سے خلط ملط کر دیا ہے یا یہ ہو سکتا ہے کہ اسمار علاقہ خوست میں بھی کسی شہر کا نام ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۔ ڈنگری پیر کا مزار اقدس بانڈہ داؤ شاہ کوہاٹ میں واقع ہے۔ ان کا اصلی نام نعمان تھا اور وہ روحانی بابا کی اولاد میں سے تھے۔

۴۔ مطیع۔ فرماں بردار۔

۵۔ شیخ آدم حضرت کاکا صاحبؒ کے پردادا تھے یعنی کاکا صاحبؒ ابن بہادر بابا ابن مست بابا ابن سید غالب ابن سید آدمؒ۔ سید آدم رحمۃ اللہ علیہ علاقہ خوست میں رہتے تھے۔ بعد از وفات ضلع کوہاٹ کے کربوغہ نامی گاؤں میں ان کی تدفین ہوئی۔

۶۔ روشن خان نے حواشی تواریخ حافظ رحمت خانی میں ایک شجرے کے حوالے سے (صفحہ ۸۴۸) اخون سالاک یا اخوند چالاک کا نام اکبر شاہ لکھا ہے۔

شاید عقاب صاحب نے ولبر شاہ کوہاٹی مرحوم کے پاس "مجمع الانساب" نام کی جس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس میں غلطی سے پیر چالاک کو اخوند چالاک سمجھ لیا گیا ہو اور پھر اکبر کو پیر سباک، پیر عمر اور منصور کا بھائی لکھا ہو۔

۷۔ موضع لکی پیر خیل میں "میر حسن بابا" کا مزار مشہور و معروف ہے۔

۸۔ شجرۂ نسب میں اخون سالاک صاحب کا اسم گرامی امان اللہ بن یعقوب بن سلیمان درانی کابلی درج ہے اور اخون سباک رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی عبد الجبار درج ہے۔ (مکتوب میاں شاکر اللہ۔ گوجر گڑھی مورخہ ۱۹۷۶-۱۰-۷)

۹۔ خوشحال خان خٹک ابن شہباز ابن یحییٰ ابن ملک اکو۔

۱۰۔ شہزادہ سلیم نور الدین جہانگیر تخت نشینی سے دو سال قبل زمانہ شہزادگی میں غالباً مارچ ۱۶۰۳ء مطابق ۱۰۱۲ھ میں ہندوستان سے کابل جاتے ہوئے اس طرف سے گزرا۔ اس نے نوشہرہ میں قیام کیا۔ جاگیر دینے کا واقعہ اغلباً اسی سال واقع ہوا ہوگا۔

۱۱۔ در طریقِ سہروردی بود اُو — ہم مریدِ والدِ خود بود اُو
شاہ اسمعیل بود از سہرورد — والد و اجداد شاں آنہا را سپرد
بود ایشاں در طریق سہرورد — تا جلال الدین سرخ آنرا برد

۱۲۔ کاکا صاحبؒ اپنی گفتگو میں اس صحبت بابرکت کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ شیخ جمیل بیگ جو کاکا صاحبؒ کے مرید خاص تھے اور وجد و سماع کے قائل تھے۔ کاکا صاحبؒ نے ایک دفعہ ان کے سامنے پیر سباکؒ کے وجد میں آنے کا ذکر فرمایا تھا۔ یہ بھی ایک خاص اشارہ تھا۔

۱۳۔ کتاب "قصتہ المشائخ" میں لکھا ہے کہ شیخ آدم بنوری کے ۳۶۰ خلفاء (سی صد و شصت) اکمل تھے جن میں مولانا محمد شریف شاہ آبادی۔ مولانا ابوالفتح مولانا شیخ فرید اکبر پوری۔ مولانا حاجی عبداللہ کوہاٹی۔ ملا یار محمد پاپینے۔ مولانا یار محمد سہرندی۔ مولانا یار محمد کل بہاری۔ مولانا حافظ محمد مراد پشاوری المعروف شیخ حبیب شاہ۔ حاجی دریا خان چمکنی اور شیخ الشیوخ حضرت شیخ سعدی لاہوری شامل تھے۔

۱۴۔ "قصتہ المشائخ" میں مولانا سید عبدالشکور کو شیخ سعدی لاہوری کا خلیفہ اور حضرت سراالاعظم شیخ یحییٰ کا پیر بھائی لکھا ہے۔ اسی کتاب میں حضرت سراالاعظم کے خلفاء کے جو نام درج ہیں ان میں مولانا محمد عمر پشاوری، مولانا سید جنید پشاوری۔ مولانا شیخ رحیمداد۔ مولانا حاجی سید نجم الدین، مولانا عبدالواحد۔ ملا مصری۔ مولانا عنایت کفش دوز اور سید السادات حافظ کلام ربانی محبوب سبحانی حافظ محمد معصوم پیر سباکی شامل ہیں۔

۱۵۔ میرے خیال میں حضرت سیدنا و مولانا السید الشیخ سید علی ترمذی المعروف شہنشاہِ خراسان بونیر پابا المعروف پیر بابا کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ اخوند درویزہ جیسے سرکش نفس کو انہوں نے اپنا مرید بنا لیا تھا۔

۱۶۔ سلطان الفقراء حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف "عرفان" میں جنّات کو مسخر کرنے کے باب میں لکھتے ہیں (صفحہ ۳۱)
"طالبِ کامل کو اس راستے میں بے شمار فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں مثلاً بعض طالبوں کو کشفِ جنونی حاصل ہو جاتا ہے اور جن اسے آئندہ کے واقعات

اور غائب کی خبریں بتانے لگ جاتے ہیں۔ بعض کو سلبِ امراض کی قوت حاصل ہو جاتی ہے..... بعض عاملوں کا جنّات پر روزینہ مقرر ہو جاتا ہے اور جن عامل کے پاس نقدی وغیرہ لاتے ہیں جس سے عامل مستغنی ہو جاتا ہے... بعض عاملوں کو آسیب زدہ لوگوں سے جن اتارنے کا ڈھنگ آجاتا ہے.... (واللہ اعلم)

۱۷۔ "تذکرہ" کی عبارت یوں ہے: "وَرَدَ واقعۃٌ مفتراۃٌ علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام من الرّھق بالتّغنّی والمیل الی الرقص والدف بحیث اتصل رواہ کتبہ صلعم فذالک افتراءٌ کلہ وبھتان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو کفر منھم....."
حالانکہ رسولؐ کے دف سننے کا واقعہ بخاری شریف اور مشکواۃ شریف دونوں میں درج ہے جو احادیث کی مشہور کتابیں ہیں۔

۱۸۔ اصل نام "قصتہ المشائخ" ہے۔

۱۹۔ یہ کتاب اب میاں فردوس شاہ ساکن چشمئی نے چھاپ دی ہے۔

۲۰۔ بلنٹر ایک نالے کا نام ہے جو آگے جاکر کلپانی میں جا ملتا ہے۔

۲۱۔ خوشحال خان خٹک، اخوند درویزہؒ کے ترجمہ قصیدہ بوصیری کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

قصیدہ د بوصیری ترجمہ کړے
عربي ئے تر پښتو مضحک داوړے
هر هر بیت د قصیدے چه درمرجان دے
په پښتو کښے ترا دروښو لا اوزان دے

۲۲۔ سرفراز خان عقاب خٹک اپنی تصنیف "پیر سباک" میں اخوند درویزہ صاحبؒ کے اس مسئلے میں نظریہ کے بارے میں لکھتے ہیں "اخوند صاحب کی تصنیفات میں باوجود ان کے وسیع المطالعہ ہونے کے بہت سی باتیں قابلِ گرفت ہیں مثلاً "استحضر" کی تخفیف کئے بغیر یہ لکھنا، اگر کسی مرد نے اپنی لڑکی کا نکاح بلا استحضار گواہان کرایا اور کہا کہ خدا اور رسولؐ اور فرشتے گواہ ہیں تو وہ کافر ہوگیا۔

۲۳۔ خواجہ بزرگ سے مراد شیخ آدم بنوریؒ ہیں۔

۲۴۔ شاہ معصوم پیر محمد عمر کے بھتیجے تھے لیکن عمر میں ان سے بڑے تھے۔

۲۵۔ "مناقب زین الدین" از خواجہ ملنگ میں لکھا ہے کہ شاہ محمد معصوم کے عہد میں افغانان لُدّ اور چوروں کا قصہ بہت مشہور تھا۔ اس کے بعد کتاب "قصۃ المشائخ" کے لکھے کی تائید ہوتی ہے۔

۲۶۔ مولانا حاجی محراب شاہ لکھتے ہیں: "شجرۂ طریقت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیّد شاہ معصومؒ شاہ جہان آباد سے پشاور تشریف لائے تھے اور یہیں قیام پذیر ہوئے نیز عام لوگوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید شاہ معصومؒ شہید بھی ہیں اور غازی بھی آپ جہاد کرتے کرتے اس مقام پر پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کا سر مبارک نہیں تھا آپ بے سر جسم کے ساتھ تھے۔ کسی مسلمان نے آپ کو دیکھ لیا اور آپ یہیں گر کر شہید ہوگئے اس لئے اس محلہ کا نام بھی محلہ سید شاہ معصوم پڑ گیا"۔ اب اثر صاحب لکھتے ہیں: "شاہ جہان آباد وہی مقام ہے جو پیر سباک کے مغرب میں واقع اور اور آج کل تو شہرہ کلاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے"۔

۲۷۔ محمد شرف۔ محمد اشرف۔

۲۸۔ پیر مہر علی شاہ کے ایک ماموں فضل دین صاحب تھے۔ بیعت ان ہی سے لی ہوگی جو پیر مہر علی شاہ صاحب کے بھی پیر طریقت تھے۔

۲۹۔ موضع اکوڑہ خٹک میں میر مشرف کی اولاد کا حصہ کافی عرصہ تک موجود رہا۔ جب بڑے بازار کی دکانیں بننی شروع ہوئیں تو میر مشرف کے پوتے صاحب شاہ نے یہ زمین برائے تعمیر دکانات مختلف لوگوں کو دے دی۔ (راوی نعیم شاہ)

۳۰۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر مشرف کی والدہ شہباز خٹک کی رشتہ دار تھیں۔

۳۱۔ یہ کتاب یوسف زئی قوم کی تاریخی نقل و حرکت اور دیگر قبائل کے ساتھ جنگ و جدل کی داستان ہے۔ پیر معظم شاہ کے اس کام کو راورٹی، برنارڈ ووڈن، الفنسٹن اور بیلیو جیسے مستشرقین نے بھی سراہا ہے۔

۳۲۔ پیر مظفر شاہ کی ایک بیٹی بی بی فاطمہ المعروف "کاے نیا" بھی جید عالمۂ دین تھیں۔ اپنے عظیم المرتبت والد کی وفات کے بعد شرعی مسائل کے قضیوں کا فیصلہ وہی کرتی تھیں۔

۳۳۔ حال ہی میں کتاب "قصۃ المشائخ" کا ایک قدیم ترین نسخہ میرے ہاتھ لگا ہے۔ اس میں بھی شجرہ اوچ شریف کے بزرگوں کے واسطے سے امام موسیٰ کاظمؒ سے ملتا ہے۔

۳۴۔ اس کتاب کی کتابت تقریباً مکمل ہو چکی تھی کہ سرگودھا کے حافظ غلام فرید صاحب کی تصنیف "احوال العارفین" زیر نظر ہوئی۔ اس کتاب میں حاجی عبدالشکور پیر سباکی اور ان کے صاحبزادگان حضرت شاہ محمد معصوم شاہجہان آبادی پشاوری قدس سرہٗ اور حضرت شیخ سید میر محمد شاکر کے بارے میں جو مفصل

معلومات درج ہیں وہ راقم الحروف کی تحقیق کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہاں زمانۂ حال کے دو پیر سباکی بزرگوں کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے جو سید اکبر شاہ کے ناموں سے گزرے ہیں۔ ایک ساکن شیدو کے جو قلندریہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ان کے مزار مبارک پر ہر سال پھولوں کی ایک چادر چڑھائی جاتی ہے۔ یہ ڈالی کراچی سے ان کے عقیدت مند ساتھ لاتے ہیں۔

دوم موضع پیر سباک کے مولانا سید اکبر شاہ ابن معصوم شاہ ابن حیدر شاہ تھے جو مدرسہ امینیہ دہلی کے مولانا کفایت اللہ صاحب کے تلامذہ میں سے تھے اور مولانا نصیر الدین غور غشتی رح کے دست مبارک پر بیعت فرمائی تھی۔

ملنے کا پتہ

۱۔ سیّد مشتاق حسین شاہ الفیصل سٹریٹ باڑہ گیٹ پشاور

۲۔ سعیدیہ کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور۔

مصنّف

ڈاکٹر چراغ حسین شاہ، سول ہسپتال لکی مروت